نظمیں
قاش
علی زیرک

"قماش" کی نظمیں اور نیا شعری محاورہ

ایذرا پاؤنڈ تاریخ ادب کا ایک اہم نام ہے۔ بیسویں صدی کی انگریزی شاعری نئی سمتوں کی دریافت و مسافرت کے لیے پاؤنڈ کی شعریات اور تنقیدی خیالات کی مرہون منت سمجھی جاتی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو لندن کا قیام پاؤنڈ کی ادبی اور فکری زندگی میں از بس اہم ہے۔ بتاتے ہیں کہ وہاں اس کی ملاقات ٹی ای ہیوم سے ہوئی جو مروجہ رومانی شاعری کا شدید مخالف تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ "نئی شاعری کے لیے لازم ہے کہ ہم رومانیت کے جذباتی اسلوب کو ترک کر دیں کیونکہ ہمیں اب ایک نئے شعری محاورے کی ضرورت ہے۔" یہ وہ نکتہ ہے جسے بجا طور پر Imagist Poetry کا نقطہ آغاز قرار دیا جا سکتا ہے۔ پاؤنڈ کے خیال میں امیج محض لفظی آرائش کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ کسی گہری احساساتی واردات کی ترجمانی اور علامتی تشکیل کا وسیلہ ہے۔ [illegible] تک نئے ادب میں اور بالخصوص نئی نظم میں امیجری اور علامت کو بیش از بیش ابہام کا موجب سمجھا جاتا رہا، لیکن نئی زمانہ بہر حال یہ صورت نہیں۔ میری دانست میں نئی اردو نظم، جس کے لیے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا، کہ پہلے پہل اس کی نیو دراصل فکر اقبال پر اٹھائی گئی، اس کی شعریات میں راشد اور میراجی کے ہاں نمو پانے والا علامتی اظہار یہ جے، اوائل میں مبہم خیال کرتے ہوئے بیشتر رد کیا جاتا رہا، فیض، مجید امجد اور جیلانی کامران سے ہوتا ہوا ہمارے عہد تک آیا تو اس کی دو نمایاں تر صورتیں سامنے آئیں، اولاً نظم کی وہ صورت جس کا تانا بانا روایت سے گہرے انسلاک کے علاوہ فکری عمق اور وقیع و رفیع اسلوب ہے۔ اس ذیل میں معاصر شعرا میں آفتاب اقبال شمیم، محمد سلیم الرحمٰن، اختر عثمان، معین نظامی، قاسر عالم، وحید احمد وغیرہ کی نظم آتی ہے اور اس کے پس منظر میں اختر حسین جعفری، منیر نیازی، ضیا جالندھری وغیرہ موجود ہیں۔ ثانیاً، معاصر نظم کی وہ صورت جو روایت کے شعور کے ساتھ نئی تشکیلات کے فراواں استعمال، امیجری میں ارضی و سماجی عکاسی اور لمحہ لمحہ بدلتی دنیا کے ضروری و (بعض اوقات) غیر ضروری پہلوؤں کی پیشکش سے پہچانی جاتی ہے۔ اس ذیل میں گلزار، کشور ناہید، احسان اکبر، ابرار احمد، ذی شان ساحل، انوار فطرت، نصیر احمد ناصر، رفیق سندیلوی، نسرین انجم بھٹی، سارہ شگفتہ، اختر رضا سلیمی اور علی محمد فرشی وغیرہ کی نظم آتی ہے، جس کے پس منظر میں ثروت حسین، افضال احمد سید، عبدالرشید، جیسے نظم گو نظر آتے ہیں۔ علی زیرک کی نظم، مذکورہ بالا ہر دو صورتوں کی توسیعی نادرہ کاری اور خلاقانہ تشکیل کی کاوش سے عبارت ہے۔

ما قبل اور معاصر اردو نظم کے تناظر میں دیکھا جائے تو "قماش" کی نظموں میں ایک ایسا منظر ظاہر ہوتا ہے، جہاں لمحہ موجود و گذشتہ یکجا ہیں، ایک دوجے کے مقابل و متوازی کائناتوں کی صورت میں۔ لسانی تجزیہ کی سعی کی جائے تو زیرک اپنی نظم کی بنت میں مخصوص لفظیاتی دائرے تک خود کو محدود رکھتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس کے ہاں متن کی تشکیل میں زبان و بیان کی سطح خاصی حد تک متنوع اور ہمہ گیر ہے۔۔۔۔۔۔۔ (جاری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قماش

ارمضان مطبوعات

منڈی بہاؤالدین/ لاہور

0333-8248038

اہتمام اشاعت

نعیم رضا بھٹی

زاہد محمود زاہد

ضابطہ

نام کتاب : قماش (نظمیں)

شاعر : فرزاد علی زیرک

رابطہ نمبر پاکستان : +92 333 149 70 15

رابطہ نمبر دبئی : +971 58 203 17 97

farzaadgraphics@gmail.com

zeerak.edu@gmail.com

سرورق : تمثیل حفصہ

انتخاب : نعیم رضا بھٹی

اشاعتِ اول : 2019

مطبع : حاجی منیر اینڈ سنز پریس، لاہور

قیمت : -/500روپے

ارمضان مطبوعات

منڈی بہاؤالدین/ لاہور

0333-8248038

انتساب

بڑے بھائی

غلام عباس

فہد عباس اور اپنی گڑیا "نائرہ فاطمہ"

کے نام

فہرست

✧ کرن کی قیچی	11
✧ مقناطیس	13
✧ شٹاپو	15
✧ کارخانہ	17
✧ نسیان	19
✧ ادب کی شاملات	20
✧ حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا	22
✧ آدھے ادھورے لوگ	24
✧ بڑی اماں	26
✧ پُرسہ	28
✧ Corniche	30
✧ دفعہ تین سو دو	32
✧ میں نظموں کا دیوتا ہوں	34
✧ ریستوران	36

✦ مجاور کہاں سو رہے ہیں؟	38
✦ نیند کا جزیرہ	40
✦ افرینا	42
✦ نحوست کا گریہ	45
✦ نیند کی بیماری	48
✦ آنکھ، آواز ہے	49
✦ حالاتِ حاضرہ	51
✦ نکیل	53
✦ اِلّا ابلیس	54
✦ اندھی آنکھ میں ریگستان	57
✦ تماشا	59
✦ بربریت کی کہانی کا آخری صفحہ	60
✦ جنگل کا شہزادہ	62
✦ انتباہ	63
✦ دشت مرا مہمان ہوا	65
✦ مونچھ والی حسینہ	67
✦ ہم خسارے ہیں	68
✦ شاعر میرے عہد کا	69
✦ گلہری کی دم	71
✦ بوڑھا ناخدا	73
✦ راون بھسم نہیں ہوا تھا	75

✦ کراچی کی ڈاچی	76
✦ سوہنی کا پکا گھڑا	78
✦ شاعر اور مزدور	79
✦ بچہ جمورا	81
✦ لوڈ شیڈنگ	83
✦ شہرت	85
✦ روانگی	87
✦ یہ چپو چام کا چپو ہے	89
✦ دیسی لبرل	90
✦ ربا ربا مینہ برسا	92
✦ سفوف ٹھنڈک	93
✦ کس گر	94
✦ خود سے بڑا شاعر	95
✦ گھڑونجی	96
✦ دوربین	98
✦ ارتھ شاستر	99
✦ ہجر کی پوٹلی کھل گئی	100
✦ ڈربے کے شاعر	101
✦ کھٹمل اور ہجرزاد	103
✦ Yellow Dots	105
✦ نیند کی کل مختاری ہے	109

✦ تن کی حکمت	111
✦ کوئی گھر دے گا کیا؟	112
✦ تشنج	114
✦ نثر کبھی نظم نہیں جنتی	116
✦ چیچو چیچ گنڈیریاں	118
✦ لاش=لاش	120
✦ تم کہاں ہو؟	122
✦ کاف کہانی	124
✦ معمول	125
✦ کیلکولیٹر کے ہندسوں میں چھپی نظم	126
✦ رو ہنگیا! ہم کہیں کے نہیں	127

کرن کی قینچی

موکشا! موکشا!

کالے بھٹ برتنوں سے چھلکتے اندھیرے نے
تیکھی کرن کی چمکدار قینچی کے "نکّے" پہ ٹھٹھا کیا تھا

اب اوندھا پڑا ہے
کمر ایسے جیسے بہت بھاری پالان اٹھاتی رہی ہو

یہ نافے کا کنڈل
یہ کھونٹے سے ادھڑا خیالوں کا منڈل
یہ کانٹا جو خلیوں کی روئیدگی کا نگہدار تھا

اب عمودی گراوٹ سمجھنے لگا ہے
کرن کی چمکدار قینچی کی شہ پر
طلب کی گھنی اطلسی جھالروں سے سجا

لالیوں سے اٹا

جب بگولے کا چرکا

جو جبھے کے اندر بھی چمکا کیا

پھیل کر پھٹ گیا

تو عمودی گراوٹ کے دھڑکے سے

پانی کا نالہ پرے ہٹ گیا

اب مری آتما کی ترپتی مرض بن گئی ہے

کرن کی چمکدار قینچی، فطانت پہ مامور

کڑوے شجر کی طرح تن گئی ہے

مقناطیس

کھلونے نہیں تھے
سو ہم ریڈیو کے پھٹیچر سپیکر کی
جالی پہ چاقو چلاتے
کشش کا مربی نکلتا
برابر توازن میں تقسیم ہوتی
وہ ڈبیا جو زنبیل سے بھی کہیں معتبر تھی
نئی کھوج پر کھلکھلا کر کھڑکتی
تخالف کی قوت
تساہل کی چمڑی سے چپکی اجازت
اٹھا کر پٹختی
تو ہم اپنی بغلیں بجاتے

شمالاً جنوباً کسی تار پر انتقامی وسیلے اڑاتے
ڈھلے دن کے پہلو میں سمٹی اداسی
کو بیدار کرتے
نظر سے پھسلتی ہوئی کھوکھلی خواہشوں کو
سبک سار کرتے
کھلونوں کے مفروض قصے بھی ہم سے
بہت پیار کرتے
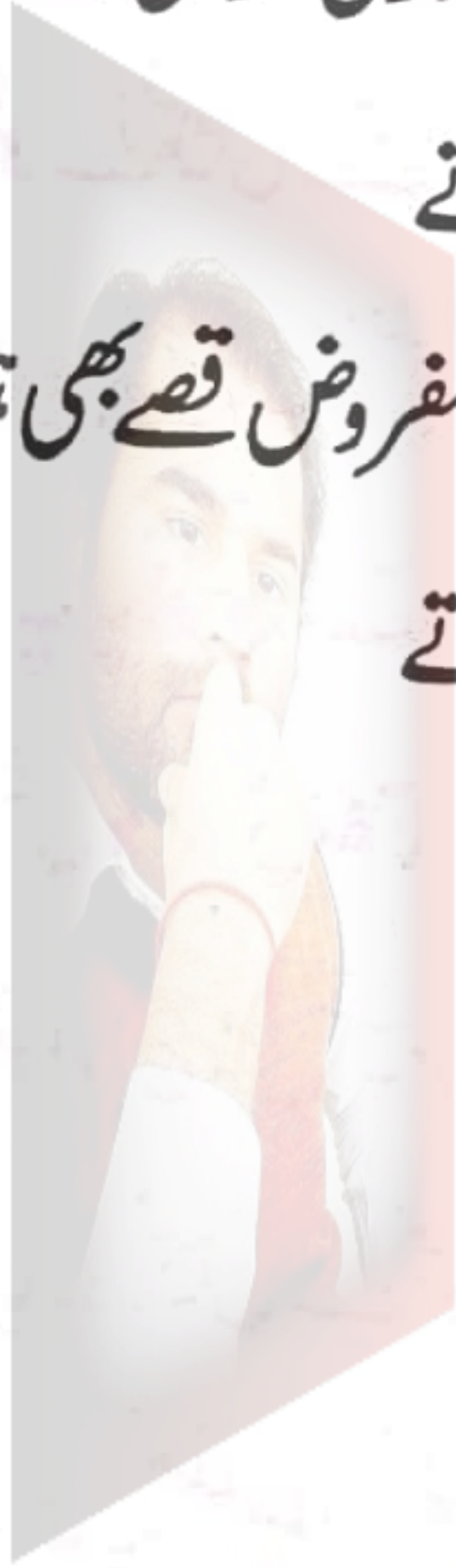
شٹاپو

خدا کا خانہ

وہی ہے جس میں سکوت ہوگا

یہ دائیں جانب فرشتگاں کے سفید خانوں کی بے رخی ہے

یہاں سے آگے بہشت والوں کا منطقہ ہے

جو سرد مونگوں، زبرجدوں کے نفیس تختوں پہ

"انتہا" کی نبیذ پی کر پڑے ہوئے ہیں

یہ بائیں کروٹ میں دوزخوں کے حریص خانے کی بے

کرانی سلگ رہی ہے

اور اس کے پہلو میں دو قدم پر ہمارے آدم کا سبز خانہ ہے

جس میں روشن روش بنی ہے

مگر یہ ایسے غلیظ خانے کے پاس ہے

جو خدا کے خانے میں جا گھسا تھا
جو "نسخِ ہوتے" سے پیشتر بھی بہک رہا تھا
یہ آخری ہے
خدا کا خانہ نہیں ہے لیکن
خدا کے ہونے کا استعارہ
یہ خالی خانہ
جو نو کے ہندسے کو صرف رخنوں سے جانتا ہے
الگ تھلگ ہے
یہ بیٹیوں کے اداس خانے کا زائچہ ہے
خدا کا خانہ بہت بڑا ہے

کارخانہ

[مردانہ]

بدیسی مشینوں بھرا کارخانہ

کو دیسی کہانی کے پنّے پہ اتھلی سیاہی کا طعنہ

قدم تا قدم اک تعفن سے لپٹا سنہرا زمانہ

پسینہ پسینہ۔۔۔۔۔لبادے کے اندر لبادے کے باہر

دھواں اور برادہ

کثافت کے پہلو میں ارضی ارادہ

" کلنڈر " کے خانوں میں تتلی کے پنکھوں سے جھڑ کر گری

مسکراہٹ کی خوشبو

بڑی انتڑی ، کیچوے کی طرح اپنی " پُڑیوں " کے چوگرد

وحشت کا" چکا" گھماتی ہوئی

اور گھڑی "اک طلب سے لٹکتی اذیت" بجاتی ہوئی

[زنانہ]

کانچ کے اس طرف

ایک ایکویریم ۔۔۔تین گز کو محیط ایک ایکویریم

جس میں کنچے مٹکتی ہوئی مچھلیاں

اک بڑے طشت میں جھومتی مچھلیاں

کیسری، سرمئی، لاجوردی، مخطط، سیہ، جامنی

گھومتی کرسیاں

اور عطروں نہائی ہوئی پنڈلیاں

کاسنی پھول۔۔۔اجلی چمبیلی کی مخمور کلیاں

ادھر سے ادھر تک توازن کی دیوار، جسم کی ڈلیاں

کشادہ سڑک اور بہت تنگ گلیاں

نسیان

اور اب مٹکے کے پیندے سے

اسی اغماض کی تلچھٹ بھبھو کے بن کے اڑتی ہے

جسے تم چھاگلی قصہ سمجھتے تھے

یہ بستر سے بندھی حیرت، تمہیں آواز دیتی ہے؟

میں تکیے تک پہنچتا ہوں ۔۔۔ فتیلہ کسمساتا ہے

تمہاری آنکھ سے ٹپکی اداسی

فرش پر چپکی ہے برسوں سے

فتیلہ کسمساتا ہے

مگر میں طاق سے کچھ گز کی دوری پر

کڑکتی کہنیوں سے پیٹ کو کھجاتا ہوں

مرا نسیان میری گرم گردن پر درانتی کو گھماتا ہے

میں جلدی سے تمہارے قہقہوں

اور بدتمیزی کا برادہ پھانک لیتا ہوں

ادب کی شاملات

ادب کی شاملات کے بسیط منطقے میں ہیں

نکاس کی صعوبتیں

جگہ جگہ پہ جوہڑوں کا شائبہ

پھدک رہی ہے مینڈکی

گھسے ہوئے ہیں سانڈ، جن کے سینگ ہیں نہ جھالریں

مٹک رہی ہیں ہنہناتی گھوڑیاں

مقابلہ ہے باکرہ ہوا کے بھید بھاؤ کا

ابھرا ابھر کے پھیلتے کساؤ کا

ہر ایک پگ پہ واہ کا جگاڑ ہے

ہر ایک پگ پہ تاڑیاں

نہ جھاڑ ہیں نہ جھاڑیاں

یہیں کہیں

کنول کا ایک پھول ہے

یہ شعر ہے

یہ شول ہے

یہ شبد شبد گونجتا ہرے بھرے سماج کا رسول ہے
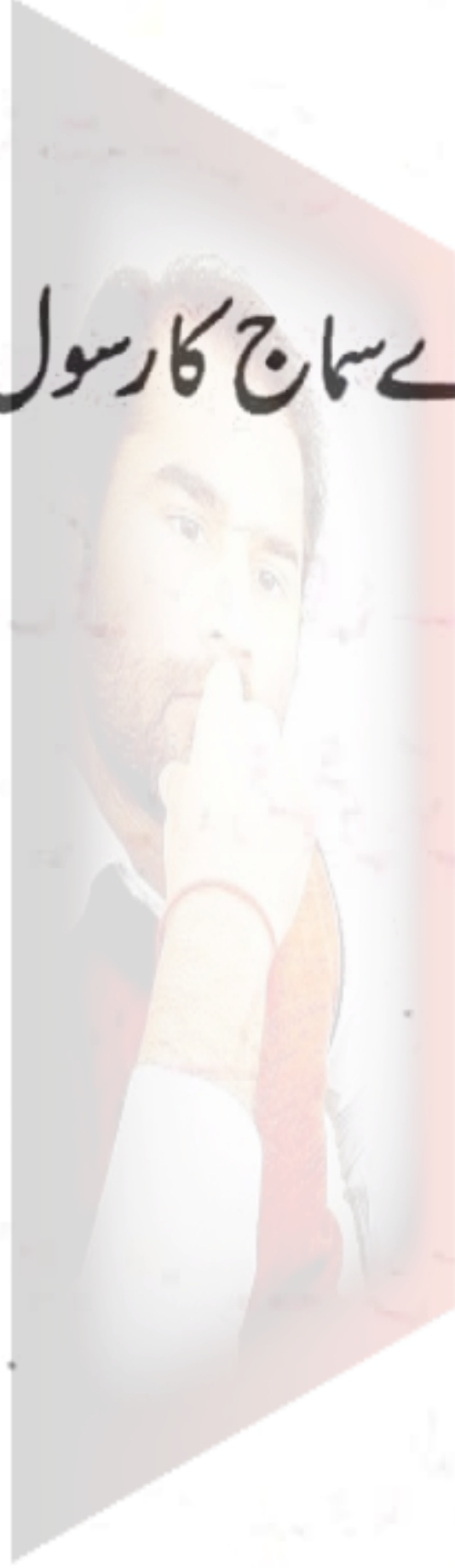
حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا

شروعات میں ہم

حجابات کی نقرئی جھالروں سے چمٹ کر لٹکتے رہے

انگلیوں کی سراسیمگی سے بھری کند گانٹھیں تڑخنے لگیں تو

سمے کھل گیا اور خموشی کی نصرت سے آواز پھوٹی

سو ہم گر پڑے

اور لڑھکتے ہوئے ان نشیبوں میں پہنچے

جو اوپر کی سلوٹ کو باطل سمجھنے لگے تھے

وہی سرد پانی

وہی گرم تلوے

تقدس بھری خاک

"جس پر دھوئیں کی لچکدار تہہ تھی"

بدن چھل گئے

ایک اک نقش پر وہ خراشیں پڑیں

کوئی پہچان پاتا نہ تھا

ناخنوں کی سفیدی کو کالا لہو بھی لبھاتا نہ تھا

آئنے میں سرکتے سرابوں کو حیرت کا کھونٹا دباتا نہ تھا

آدھے ادھورے لوگ

کیا ہوا صاب جی؟

کچھ پریشان سے ہیں

"نہیں کچھ نہیں"

میں نے اُس تین فٹ کے ادھورے بدن کو

حقارت سے دیکھا

بھنوؤں کے تناؤ کو ڈھیلا کیا

اور کندھے سکیڑے

گھنی شام تھی

تیز بارش کے تھمنے تلک

میں نے اُس نصف جیون

کی پوری کتھا

آبگینے میں رکھی

اور آنکھوں سے چکھی

کئی بار بارش میں بھیتر کے بھیدوں
میں نَم کی بدولت نمو بولتی ہے
وہ کم بولتا تھا
" مگر بولتا تھا"

اور پھر اُس نے میری پیلی آنکھوں میں کچھ
شبد اُتارے
" کون سَمے کے وصل کا قصہ؟"
" آدھا پونا، پورا حصہ "
گیلے تَن پر سوکھا بولے
اور ہریالی بھوکی آنکھوں میں حیرت کی گرہیں کھولے
میں وہیں تھا
مگر اُس ادھورے بدن کی صدا
تیز بارش کے پانی میں بہنے لگی

بڑی اماں

یہاں امرود کا، اک آسمانوں کی منڈیریں چھیلتا
مضبوط چھتناروں کا باغیچہ تھا
جو شیشم کی تنہائی پہ ہنستا تھا
بڑی اماں کی کھٹیا پر، بھنی مکی کی خوشبو رینگتی رہتی
سرہانے پر پڑی ہوتی تھیں، تسبیحی مناجاتیں
مدینے کی کھجوریں، عطر کی شیشی
بڑی اماں کی بوڑھی دودھیا آنکھوں میں
شیطانوں کے چرخوں کی شرارت کا ہر اک بھاؤ ابھرتا تھا
جو گالوں کو کچھ اس ڈھب سے پھلاتے تھے

کہ جیسے اک اکنی سے جہاں بھر کی ضرورت کو خریدیں گے

بڑی اماں کی گتھلی جھلملاتی تھی

طلائی ڈوریوں والی، ملائم ریشمی دھاری

ہرے ململ کا کپڑا تھا

بڑی اماں کی گتھلی میں زمانہ سانس لیتا تھا

گئے وقتوں کے اجلے خواب زاروں کی کہانی کسمساتی تھی
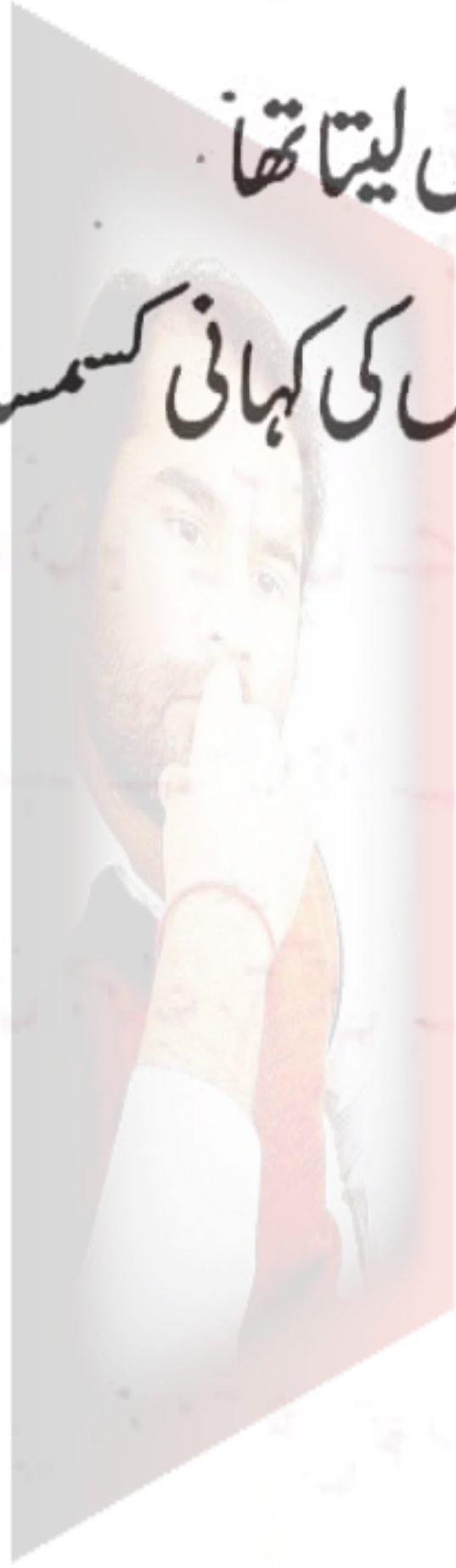
پُرسہ

کچّے ماس کی باس آتی ہے)

اُجلے خواب کے دروازے میں

(کُتوں کی بھونکار بچھی ہے

پُرسہ دارو!

"پُرسہ داری کتنا مشکل کام ہے"

یعنی ------

کہر زدہ خاموشی کے زنگار میں لپٹی یکتائی پر فقرے کسنا

ریشم جیسے بستر میں لیٹے کافی کے سِپ لینا اور سگریٹ کو سلگانا

خبروں میں اُن تابوتوں کی گنتی کرنا

جن میں ٹھونکی جانے والی میخیں

مریم کے بیٹے کے خون پہ خندہ زن ہیں

وقفے وقفے سے غالب کے سوندھے شعر کی خوشبو پینا

سوشل سائٹ پر اونگے بونگے شعروں کی

کھلی اُڑتے دیکھ کے ہنسنا

ہنسنا زور سے ہنسنا

"جیسے پاگل ہنستے ہیں"

یا گاہے گاہے رو بھی دینا

اور سو جانا۔۔۔۔

پُرسہ داری کتنا مشکل کام ہے

پُرسہ دارو!
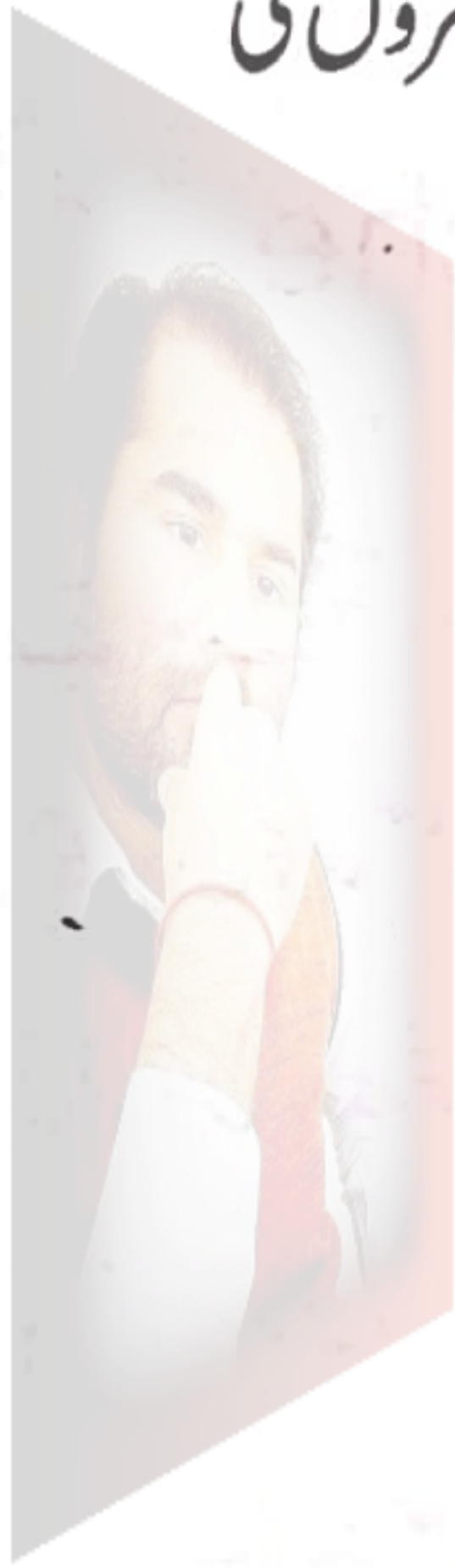
Corniche

جگمگاتے ہوئے قمقموں سے ٹپکتی اُداسی کی کس کو پڑی ہے

چھکتی نگاہوں کا حاصل اُبلتے بدن کا بس اِک بھاؤ ہے

جس کی ترسیل سے خواب زادے ہوس کی نمو کر چکے

بوسہ بازی ہماری روایت نہیں

دونوں جانب سے جکڑے ہوئے سُرخ پانی پہ

ہلکورتے چند آبی پرندے ہیں

جن کو کبھی موسموں کا تغیر نہیں چھو سکا

گھاس پر کھیلتی سبز کلکاریاں

سامنے بنچ پہ بیٹھے ہوئے "فارنز" کی ہنسی

قہوہ خانے سے اُٹھتی ہوئی بھاپ کی سرخوشی
سانس لیتی ہوئی رات میں ہونکتی زندگی
میں کہ مشرق سے آئے ہوئے
لب گرفتہ اپاہج قبیلے میں شامل بھی ہوں
سبز لمحوں کو آنکھوں میں تصویر کرنے کا قائل بھی ہوں
لیکن آنکھوں پہ کب تک بھروسہ کروں
اے خداوندِ شب
میری بدذات آنکھیں
جنہیں سرمدی روشنی کی طلب ہے
سیاہی سے بھر دے
مجھے میری پاکیزگی سے بچا

دفعہ تین سو دو

سرخ چھتری کھلی

اور غٹرغوں غٹرغوں کا تھیلا گرا

ایسی افگندگی، آہنی صبر کے نرم پہلو سے نکلی

کہ لٹھ سے لٹکتے ہوئے لوبھ نے ایک پیتل جڑی چمچاتی نحوست کے

بوجھل کڑے کے تغافل کو چھیلا

درندہ صفت، سنتری کے اچکتے گھنے بازوؤں نے

کئی پٹیوں کی اجازت کو کیلا

ٹھکا ٹھک ٹھکا ٹھک

بغل کا پسینہ، گنہ اور کینہ

ستوں کے عقب سے نکلتے ہوئے راس دھاری کا سینہ

ٹھکا ٹھک ٹھکا ٹھک

کاروائی سے پہلے ہراساں لبوں پر ہنسی کا ازالہ ہوا ہو گیا

تین سو دو پہ آ کے، وہ اندھا قلم کیا سے کیا ہو گیا

سب ثبوتوں کے ہوتے ہوئے بھی

خباثت کا پتلا رہا ہو گیا
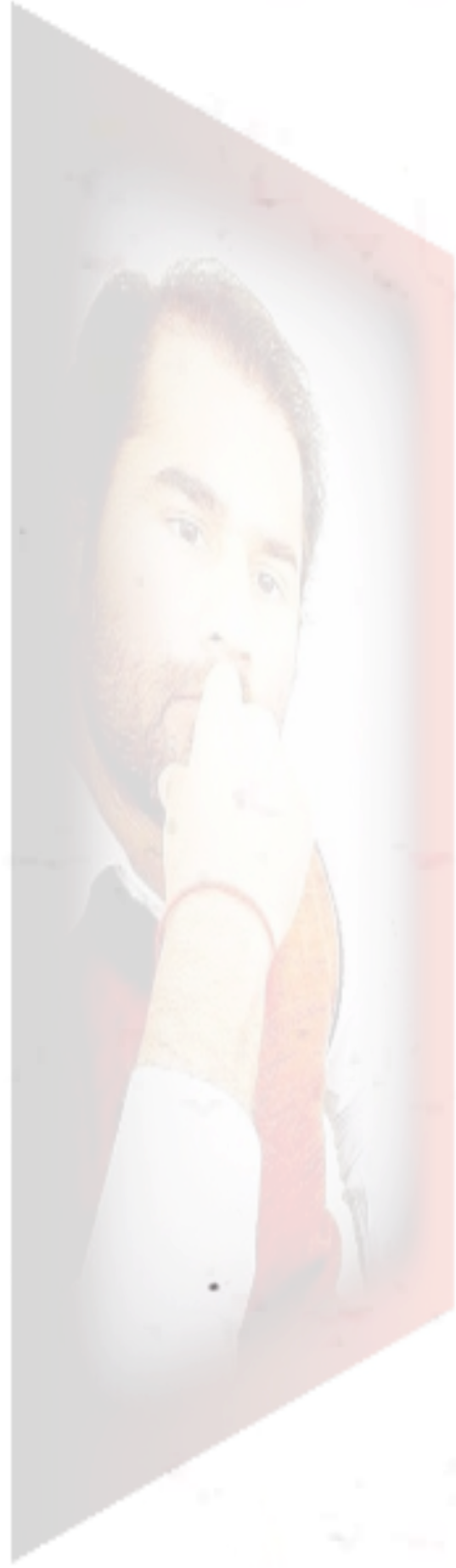
میں نظموں کا دیوتا ہوں

کون کہے گا؟

"نیند کے کھارے پانی میں بہہ جانے والی آنکھیں جی اُٹھیں گی"

کوری مٹی کے پہلو میں اکڑوں بیٹھ کے رو لینے

اور قالینوں کی گرد میں چھپ کر جی لینے میں فرق نہیں ہے

بستر کی ہر سلوٹ کے کھُل جانے تک اس رات کا پاگل پن جاگے گا

اور دونوں جانب ہانپنے والے فالج خوردہ جسموں سے بھی

گندھک جیسی باس آئے گی

بھوگنے والے بھوگ سکیں گے؟

پارے کی تقویم سے پہلے کا نظّارہ

ممکن کی ناممکن سے آمیزش
مٹی اور پانی کا ٹھنڈا سیارہ
یاقوتی انکار کا گریہ
لاہوتی تعبیر سے آگے
مسجودی اقرار کا غوغا
دیوتاؤں سے دور کھڑی ہے
جنبش کی تعمیر
میری آنکھ سے جھڑنے والی
نظموں کی تنویر

ریستوران

چاشت کی چائے پینے سے پہلے

مجھے اپنے دفتر کو جاتی سڑک پر گھسٹتے زمانے

کی تقویم کرنی ہے

یعنی ابھی بیٹھنے کی فراغت نہیں ہے

سڑک سے پرے دودھیا رنگ شیشوں کے اس پار

ہونٹوں سے کچھ شبد ٹپکیں تو دانتوں کی ضو بار گی

اَنت کے دائرے میں چلے

اب وہیں ہوں !!!

یہاں "پیش" کو لاحقے کی ضرورت نہیں ہے

وہی "لِپس" ہے جس کی ہوس میں فنا ہو چکا ہوں

اُسے یاد ہے، پچھلے ہفتے سہولت کا فقدان تھا

اب وہی سب میسر ہے

جس کی طلب جاگتی آنکھ میں اونگھتی ہے

سو اب کیا کروں؟

مرے "باس" کی پونے گز کی کلائی

گھڑی سے بندھی ہے

میں اس چمپئی جسم کی باس میں گُھل رہا ہوں

مگر مرحلہ وار آنکھوں میں گھلتی ہوئی سبز قہوے کی خوشبو!!!

مجاور کہاں سو رہے ہیں؟

مجاور یہاں سو رہے ہیں
ہمیں ان سے بچ کر گزرگاہ کے آخری موڑ تک
اپنے سایوں کی تجسیم کرنی ہے
جب سے بڑے رائے صاحب کی آمد ہوئی ہے
حویلی کے چاروں طرف باڑ اُگنے لگی ہے
اور اندر گھنی مونچھ والا
تناور درختوں سے بھڑنے لگا ہے
"سُبک سَر نگاہوں سے پرہیز کرنے کی حاجت نہیں ہے"

حویلی میں جتنے ملازم ہیں سب کی
طلب مر چکی ہے
ہمیں دن ڈھلے خواب گاہوں کی جانب لپکنا ہے
پہلے پٹاری میں دیکھو!!
بڑے رائے صاحب کی معشوق جیسی
لچکتی ہوئی ناگنیں
عشق پُھنکارتی ناگنیں
اور حویلی میں جتنے ملازم ہیں سب کی طلب مر چکی ہے
مجاور کہاں سو رہے ہیں؟
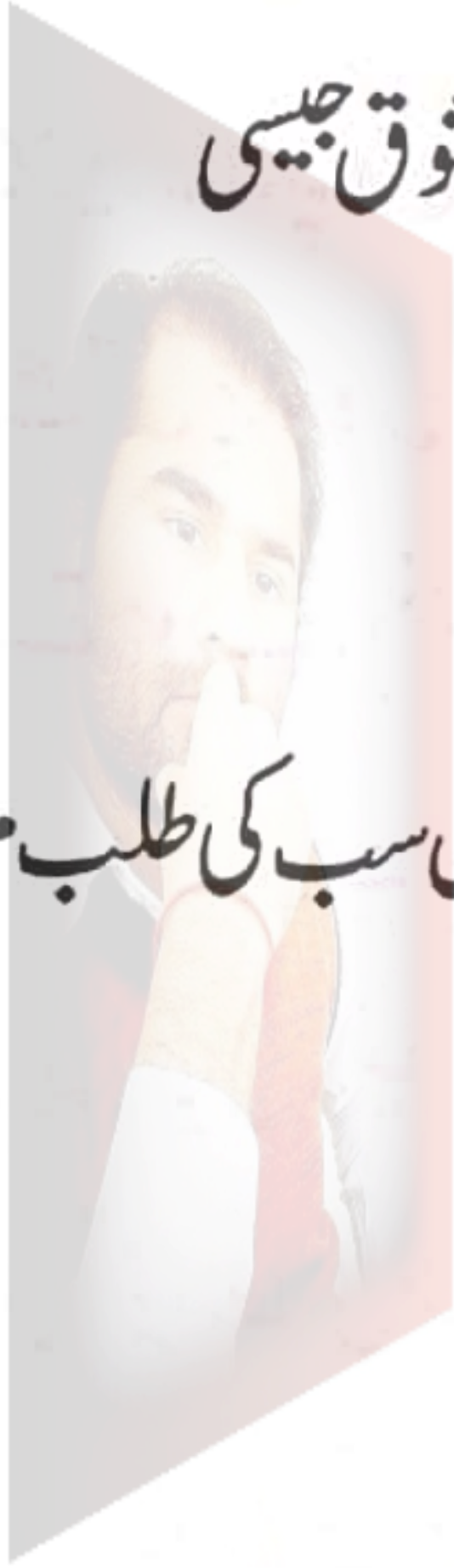
نیند کا جزیرہ

اِس جزیرے پہ کوئی بھی رہتا نہیں

اندھے آبی پرندوں کے نغموں کی اینٹھن

سکڑتے ہوئے روغنوں میں سَنی ہڈیوں کا برادہ

کٹیلی چٹانوں سے ہو کر گزرتا، تباہی کا جادہ

کھلی جھاڑیاں، بھیڑیوں کے درانتی نما دانت

ململ کی دھجی، طلائی طراوت میں لپٹا لبادہ

عقب سے ابھرتی ہوئی دیو قامت اداسی

پھسلتی ہوئی ریت اور چمپئی آنکھ کی بدحواسی

ہوا بھینچنے کا ارادہ

یہاں کوئی رہتا نہیں

ابر پاروں کی پروردگی اور پیڑوں کی پیوستگی

ایک فوسل سے چپکی، بدن کی ہری بستگی

شور کی پسلیوں میں اترتی ہوئی

خامشی، خستگی

کون آواز دے؟

کون گریہ کرے؟

کون وحشت کے ماتھے پہ

وارفتگی کا پگھلتا ہوا ایک بوسہ دھرے؟

کون زندہ رہے اور میرے لیے

سات گھنٹے مرے؟

افرینا

اور اب دن کا اُجلا سایہ

میری نیند کی کالی مٹی چاٹ چکا ہے

میرے حلق میں جم جاتی ہے

اب تیری آواز

جسموں اُٹھتی فریکوئنسی، بھانپ چکا ہے

سناٹے کا ساز

میں اس بار میں بیٹھا اپنی کوتاہی کو بھانپ رہا ہوں

اور تو اپنے اندر گرنے والوں کی آنکھوں میں اونگھ رہی ہے

کھڑکی کے باہر

شام کے سائے کا ہم شکل ہے دن کا سایہ

شام کے گھاٹ پہ رینگ رہا ہے

دریاؤں کا جایا
قصے کا انجام نہیں ہے
اُفرینا!
ہم جی سکتے ہیں
ایسا جیون
جس کی کوکھ میں ہریالی ہو
بارش کا پانی اکثر میٹھا ہوتا ہے
آنسو کڑوے ہوتے ہیں
اور وہسکی بھی
اُفرینا!
ہم دونوں ایسی تہذیبوں کے وارث ہیں
جن کو گالی بکنے والے
اپنے آپ میں شرمندہ ہیں
سرحد کے اُس پار ہے تیرا خطہ
"رومی" اور "شیرازی" کے الہام کا خطہ

میں "غالب" اور "میر" کی دھرتی کا بنجارہ

چکر کاٹ کے آیا ہوں

کیا کہتے ہیں فلموں میں؟

"سات سمندر پار"

وقت کی سیدھی پگڈنڈی پر گھوم رہی ہے

دوشاخہ پرکار۔۔۔۔۔

مٹی کا انکار!!

نحوست کا گریہ

کُھلی کھڑکیوں سے گزرتی ہوا نے

خجستہ چراغوں، چھکتے ایاغوں، شبوں کی سیاہی کے داغوں

کی جانب کئی بار دیکھا

مگر ایک لمحہ۔۔۔۔وہی ایک لمحہ

جو تابِ تعب سے گریزاں ہونٹوں پہ

کھل کر لہکتی ہوئی لو میں ڈھلتا رہا تھا، کہیں بھی نہیں تھا

وہ لمحہ جسے شب گزاروں نے بستر کی گرمی سے سینچا

کُھلی کھڑکیوں سے گزرتی ہوا نے مجھے

سرد کمرے کی سرگوشیوں میں پکارا

مگر میں نہیں تھا

زمانوں پرے اک تحیر کی تہہ تھی

جسے کھولنے میں مکاں کی مصیبت نے مٹی کو جنما

وہ مٹی جو خوشبو سے لبریز تھی

اور تقدّس کی شہہ پر بدن سے شناسا رہی تھی

جسے خواب زاروں کے رستوں پہ اُگنے کی خواہش نے وارفتگی کا سلیقہ سکھایا

جو معنی کی حرمت کا ایقان تھی

اب وہی ہے جو تم دیکھ سکنے کی قوت سے دیکھو

بدن ہے۔۔۔۔بدن کے کئی زاویے ہیں

حقائق مسلسل مروت میں ڈھل کر توہم کا اک سلسلہ بن چکے ہیں

سو سرگوشیوں کے سرابوں کی ضَو میں فنا کی خموشی سرکنے لگی ہے

زمانہ، ضرورت کے پروردگاں سے وہی مانگتا ہے جو ملتا نہیں ہے

مجھے آئنے کے تکلم سے پھوٹی ہوئی روشنی کی لپک نے اجاڑا

تمہیں تو الاؤ کے اسرار پانے کی عجلت نے وحشی کیا ہے

کہیں اختیاری گناہوں کی نَے ہے

کہیں جبر خوردہ سوالوں کا گریہ

کہیں نیلمیں نَم کی وحشت کا قضیہ

مگر ہم وہیں ہیں، جہاں سے چلے تھے

ہماری سرشتوں میں بیگانگی کا وہی واہمہ ہے جو قرنوں پہ پھیلا ہوا ہے

زمانہ، ضرورت کے پروردگاں سے وہی مانگتا ہے جو ملتا نہیں ہے

مجھے اپنے ہیجان سے تھوڑی فرصت ملے تو ذرا کھل کے رو لوں

کہ نَم ناک آنکھوں کی تابندگی سے بقا پھوٹتی ہے

خرابے سے اٹھنے سے پہلے غنیمت کے قریے کی پہچان کرلوں

جہاں سبزگی سات رنگوں کا کل ہے

تمہیں کونسے رنگ میں ڈھل کے ہنسنے کی چاہت نے معتوب رکھا؟

تو کیا اس طرف بھی

بھلی خواہشوں کی توقع نے رَم خوردگاں سے نمو چھین لی ہے؟

تو اب نیستاں سے دھواں اُٹھ رہا ہے؟

بھلا ہو بُرے قہقہوں کا

جنہیں سرمدی حرف سے کچھ علاقہ نہیں ہے

میں گریہ گزاروں کی صف میں کھڑا ہوں

مگر مطمئن ہوں

نیند کی بیماری

نیند کی موذی بیماری نے

آنکھوں کے سیال کو بائیں جانب کھلنے والی کھڑکی سے باہر پھینک دیا ہے

اب بس خالی خولی سولہ پسلی والا بنجر سینہ

تڑخے خواب سمیٹ رہا ہے

سانسوں کا سنگیت، سُروں میں بے ڈاری

پنچم اور گندھار کی جوڑی

دھویت کی پوروں نے

اندھے سناٹے کی گردن توڑی

کون کہاں ہے

کال کلوٹی دیواروں میں درزیں کم ہیں

یہ تو میں ہوں۔۔۔۔۔اور یہ تم ہو

بالکل ٹھنڈی

میں تو برف کی سِل کے نیچے دبا پڑا تھا۔۔۔۔۔اور تم ؟؟
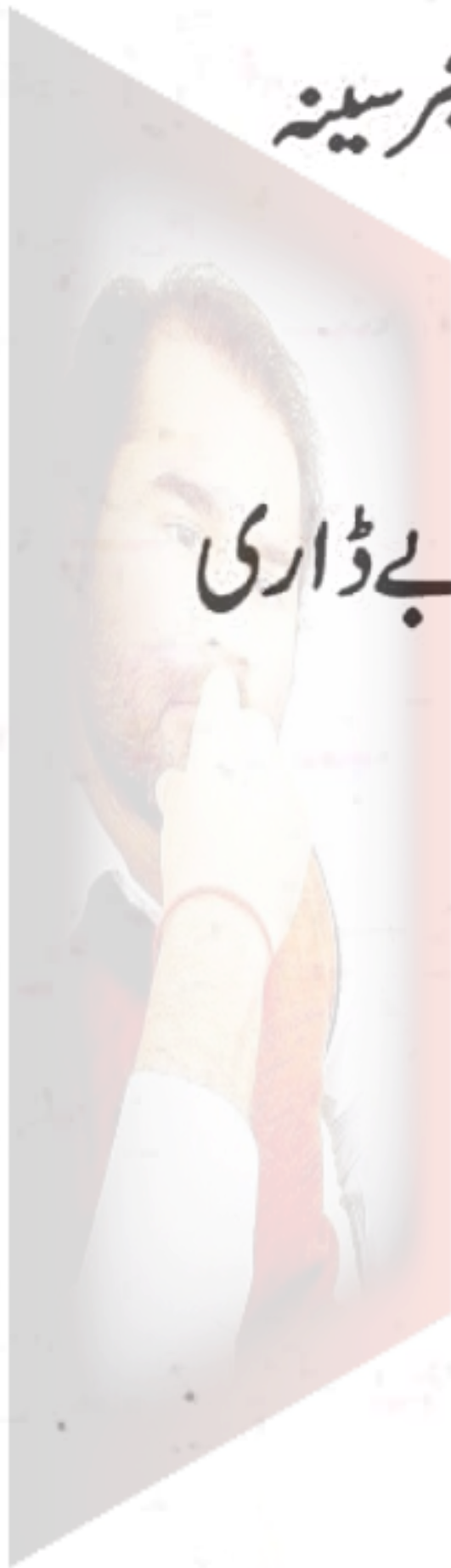
آنکھ، آواز ہے

کوئی آواز ہے
آسمانوں سے آگے
سُلگتے ہوئے ریگزاروں سے آتی ہوئی
ناشنیدہ، لپکتی ہوئی کوئی آواز ہے
خالی کمروں کے بھاری کواڑوں سے رِستی
دہکتے ہوئے گنگ دالان میں رینگتی، ہونکتی کوئی آواز ہے
خواب گاہوں سے چمٹی ہوئی چمنیاں
قرب اور بُعد کا نقرئی سا دھواں
کوری سلوٹ میں سمٹا ہوا ذائقہ
کچھ حرارت گزیدہ چراغوں کا روغن
اُدھڑتے ہوئے ہونٹ کی زرد ہوتی طراوت

بکھرتے ہوئے سبز لمحوں کی راحت

جہنم کی نعمت۔۔۔۔

کہاں سے اندھیری گلی

گھوم کر گھر میں داخل ہوئی

کون رخنہ ہے جس سے گلابوں کی باسی مہک

آنکھ میں آبسی

آنکھ۔۔۔۔۔۔۔آواز ہے؟

یا مٹکتے ہوئے دن کا آغاز ہے
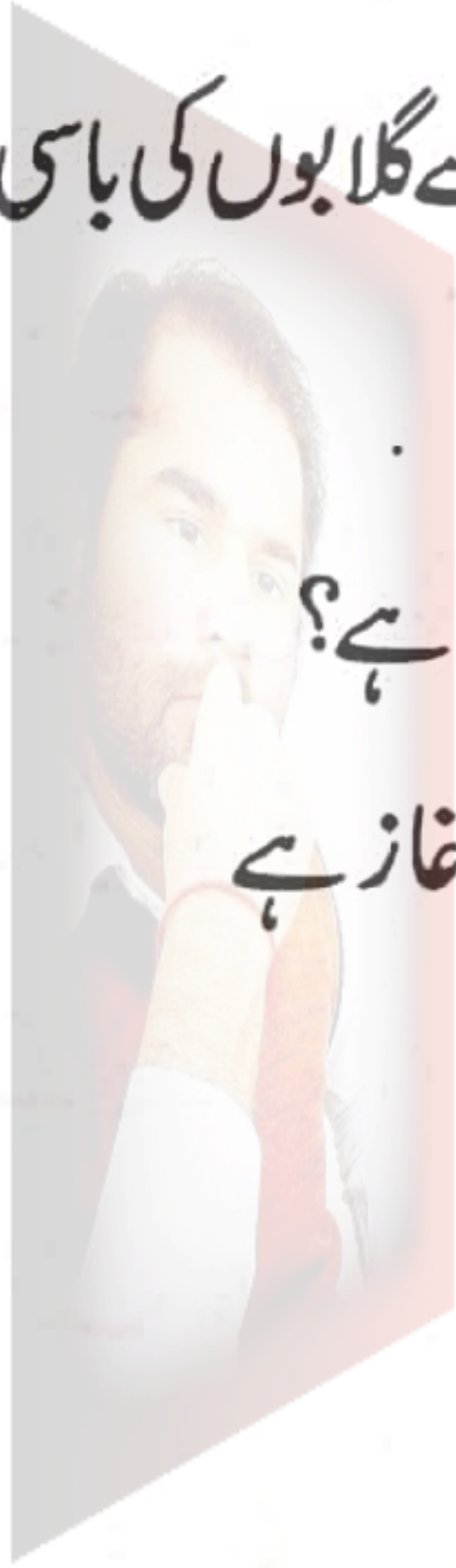
حالاتِ حاضرہ

"سائیں صاحب" جاگ چکے ہیں۔۔۔

"پانی لاؤ!"

سوتے سوکھ چکے ہیں سائیں!

تھر کی بانجھ زمیں سے کوہلو کی ویرانی تک

آگ بچھی ہے

یہ کیا؟

آپ نے ریشم کی پوشاک پہن لی؟

مادھو، اپنے کورے لہجے کے چاقو سے

سائیں صاحب کی انگڑائی چھیل رہا تھا

اور دالان کے بیچوں بیچ گزرتی نالی پیپڑی میں گُم اونگھ رہی تھی

مور کے پنکھ

پھسڈی عورت کی بھونکار

باغ میں تخت

لچکیلی بانہوں کا ہار

خدمت گاری

حوض میں دودھ سے غسل کیا۔۔۔

شیریں اور فرہاد کا قصہ

پتھر پتھر

*ماتھا سُرخ گلابوں جیسا

لہجہ تلخ شرابوں جیسا*

نارنجی پردوں کی جھالر،

چگی داڑھی

مٹکوں میں انجیر کا شربت

ہاہاہاہا

سپنوں میں اپنوں کا حصہ

سائیں صاحب !

سائیں صاحب!

خر۔۔رر۔۔۔۔۔خر۔۔رر

نکیل

امبر، امبڑی

نیر و نیر

مَٹھ کے سادھ اور ُگونی" کھیر

او! منکوں پھسلی سُر کی مینڈھ!

تن کی کھیتی

بِر کی کھاد

نتھنے کھینچ کے سانس لیا

تو ناک سکڑ کر سرد ہوئی

اک ٹاپوں چڑھتی انگڑائی جب گرد ہوئی
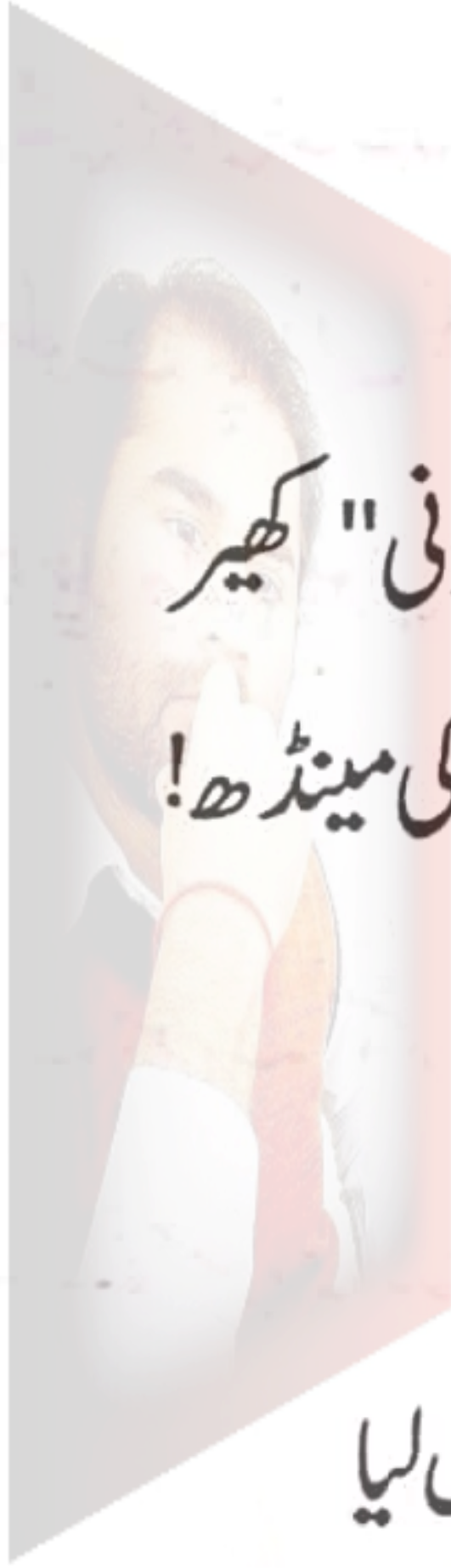
اِلّا ابلیس

خداوندِ آدم! یہ میں ہوں۔۔۔۔تدابیر کے واہموں کا جَنا

جو زمانے کی سلوٹ پہ اک نقرئی نیند میں کسمساہٹ بھرے منحنی

خواب پیوند کرتا چلا جا رہا ہوں

تمہیں یاد ہو گا

کہ جب کھنکھناتے ہوئے ٹھیکرے سے تمہاری گرہ کھل نہ پائی

مجھے سب ملائک نے حسرت سے دیکھا

میں تنہا کھڑا تھا

کہا "اسجدو"

اور سب جھک گئے

مگر میں؟

مجھے حکم ہی کب ملا تھا؟

[تمہیں یاد بھی ہے کہ میں آگ ہوں؟]

اب کہیں پیش و پس میں سَمے کی ہری سرخوشی سے لپٹ کر

"عزازیل، آدم سے بہتر نہیں" کی صدا کھینچتا میں کہیں کھو گیا ہوں

کبھی تم نے مسند کے نیچے کھڑے اُن فرشتوں سے پوچھا؟

جنہیں اونگھنے سے فراغت نہیں ہے

کہ اُن کی بقا میں ہی ان کی فنا ہے

عدَم کیا بَلا ہے؟

تمہی تھے، تمہی ہو، تمہی رہنے والے ہو

لیکن یہ آدم ------

میں سنتا رہا ہوں

بھرَم کی کتھا کے سنہرے حوالے

تضادات، حرفوں کے باطن سے پھوٹے صدا ہو گئے

اے خداوندِ علم و خبر!

کچھ خبر ہے؟
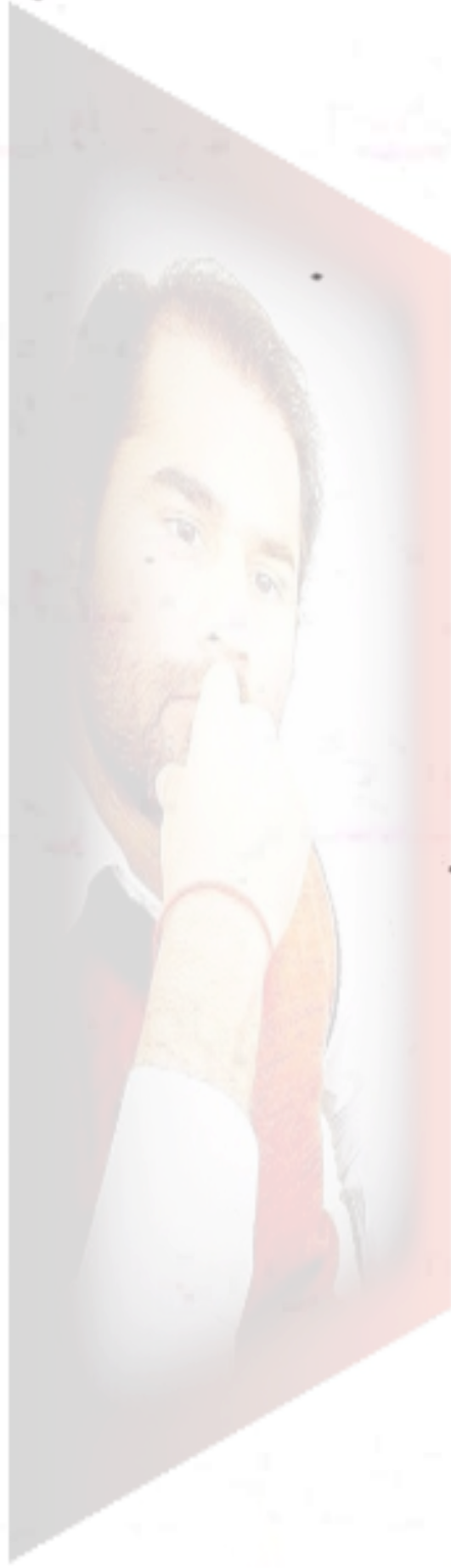
مجھے سرکشی اور حسد کی اکہری ہزیمت سے "دُوئی" کی تشکیل کرنے

میں عرصہ لگا ہے

مگر تم تو یکتا ہو

کیا جان سکتے ہو بسیار کا غَم

حساب و کتابت کا کیا ماجرا ہے؟

کبھی مجھ سے پوچھو

میں کن خارزاروں میں دَم کھینچتا ہوں

اصولوں کی بھاری سِلوں کے تَلے میں نے آدم کی سسکاریوں کو سُنا ہے

وہ آدم، جسے تُم نے اظہار کی سرخوشی میں سرابوں میں جھونکا

اگر اونگھتے، اور عادت کی تکرار کرتے فرشتے، تمہاری مدد کو نہ آتے تو

میں خاکداں کی خوشی اوڑھ لیتا

مگر تم نے قہّار ہونے کا دعویٰ کیا تھا

تمھیں کیا خبر تھی؟

رعیّت، رعایت کی محتاج ہونے سے پہلے فنا ہو چکی تھی

خداوندِ آدم ــــــــ!!!

اندھی آنکھ میں ریگستان

دس برس ریگزاروں میں دم کھینچنا

اِک تغافل بھری آنچ میں

آبلوں کی تپک جھیلنا

تیس اور سات سے اِک عدد جوڑنا

رینگتے رینگتے راستہ کاٹنا

دو میں دوئی کا کوئی اشارہ نہیں

ایک ہی ایک ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ریت ہی ریت ہے

سبز ٹیلوں کی خواہش

اماوس بھرے آئنوں سے گزرتی نہیں

میں اُسی پیڑ کی چھاؤں تک آ گیا

جس نے گیتوں کو اشلوک بنتے سُنا

جو پرندوں کی پہلی محبت بنا
تُم مرے پاس ڈھنکی ہوئی دُھند میں
میری گٹھڑی اُٹھائے کھڑے رہ گئے
کچھ کٹیلے کسیلے دنوں کا دھواں
پھیپڑوں سے گزر کر مری آنکھ میں آ گیا
اب کہاں جائیں گے
رات کی رات ہیں
اور کی اور میں ریت ہی ریت ہے

تماشا

بھاری بستوں میں دن کی کسیلی تھکن اونگھتی ہے
سفر، ایستادہ چٹانوں کے باطن سے پھوٹے،
تو چنگاریوں کا تغافل ہرا ہو
ہمیں لجلجاتے چناروں سے آگے، تساہل بھری کھیتیوں سے گزر کر،
فصیلوں کی فصلوں میں چھپنے سے پہلے،
دھوئیں کی لچکدار دیوار کو چاٹنا ہے
فنا استعارہ ہے، تشکیلِ نو کا
ابھی چند لمحے توازن کی تکڑی میں تلنے لگے ہیں
ذرا جم کے بیٹھو!
کہ خاکستری خواب کھلنے لگے ہیں

بربریت کی کہانی کا آخری صفحہ

مصر مجبور ہے

شام رنجور ہے

شُوم جاتی مسلمان کی کھال اُدھڑی تو اُجلی چمکتی ہوئی گوری چمڑی میں

وہسکی چھلکنے لگی

واڈ کا سے ڈھلے ہونٹ مشرق میں وحشت کے پھیلاؤ پر گہری تشویش

میں ایسے سکڑے کہ عالم پنہ کو ہنسی آ گئی

بار میں بیٹھ کر دو ٹکیلا کے شاٹ

روز پیرس کی باس اور

بارود کی بُو سونگھنے میں بہت فرق ہے

تُم ابھی ساحلوں کی خُنک ریت پر موسمی اور برینڈڈ

لبادوں میں محفوظ اپنی

بغل میں نکون اور کینن دبائے چلے جا رہے ہو

حلب میں بکھرتی ہوئی راکھ میں ہم بکھرتے رہے

روہنگیا میں بھڑکتی ہوئی آگ میں ،ہم نے گُوڑھی مُرادوں کا نروان

دیکھا

تمھیں کیا خبر، کس نے کشمیر کی آنکھ میں اتنے آنسو جڑے

کہ زمستاں کی پلکیں بھی جھڑنے لگیں

ہم نے بغداد کے گہرے چھتنار کو آریوں اور کٹاروں سے کٹتے ہوئے

تنگ پٹی پہ ٹینکوں کے آگے غلیلوں کا انکار دیکھا

ہمیں لیبیا کا بزرگ اپنی دانائی کے سارے اسرار کھولے جگاتا رہا

ہم پڑے رہ گئے

ہم مرے رہ گئے

جنگل کا شہزادہ

لکڑہارا

جنگل کی جاگیر کا وارث

سناٹے کی رمز کا مارا

خوابوں اور خرابوں کی وحشت کا گارا

تنہائی کے تن سے لپٹی آوازوں میں گونج رہا ہے

میٹھے پانی کا فوارہ

شہر کی پکی سڑکوں پر، فراٹے بھرتی، پنجوں کے بل جھومنے والی

ویرانی کی آنکھ میں روشن بلب کی ٹھنڈی خاموشی

اور دور درختوں کی بالائی دوشاخہ حیرانی میں امکان کی پھونکیں کاڑھتا

خوشبو کا اِک دھارا

دل بے چارا

لکڑہارا۔۔۔۔۔
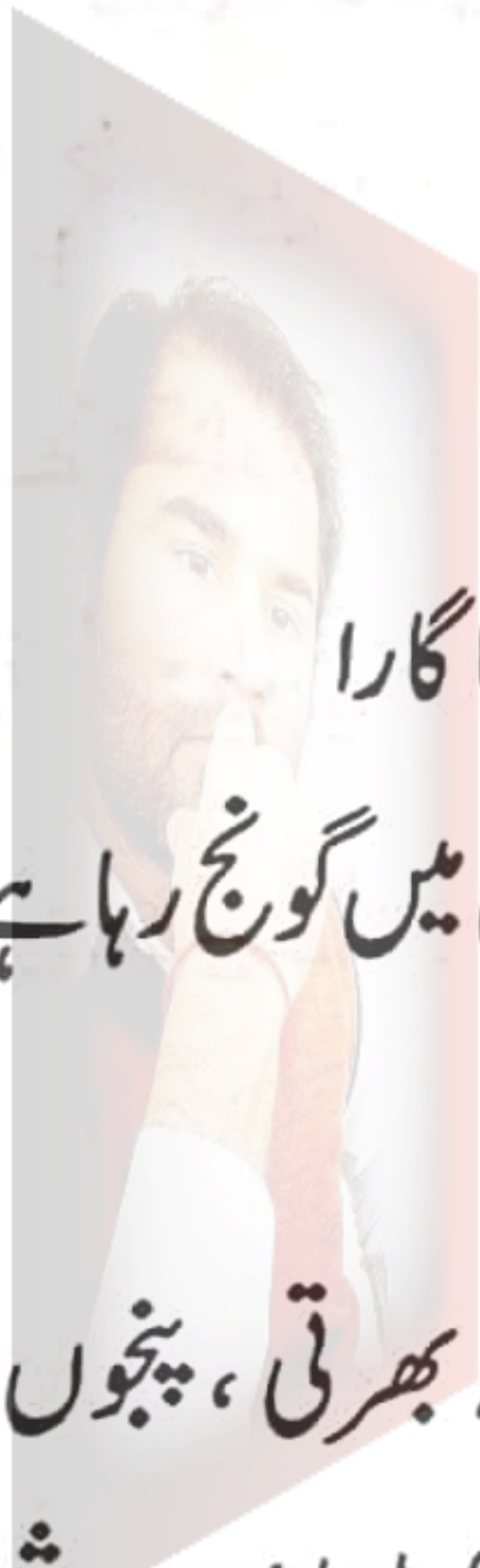
انتباہ

"اک دھماکہ ہوا۔۔۔"

کانچ پر، آتشیں آنسوؤں کی سرک سو گئی

اپنی ماندوں میں دبکے پڑے شاعروں

اور صحافی نما ماس خوروں

کو تازہ کہانی ملے گی

لبالب، چھلکتی ہوئی ایک تازہ کہانی

"یہ خلاقیت یہ خبر خیز آنکھیں"

ابھی پتھروں سے چھپا کے اڑاتے ہوئے

نرم جھرنے ابل کر قدم بوس ہوں گے

[چھلے ہونٹ، ادھڑی سماعت]

بہت مہنگے عطروں میں لپٹے ہوئے سُرخ پَر سے

کہیں سر د سینہ بھبھکوں میں بٹ کر

دھوئیں کی لچکدار لو میں بہے گا

کہیں زنگ آلود آروں سے ریشم کی پونی سمجھ کر

ادھیڑے گئے زینبوں کے سراپے

پھسلتی ہوئی گاڑھی ویرانیوں میں سرکنے لگیں گے

اگر آدمیت، کسی تنگ کھاڑی میں بہتی ہوئی

میرے تٹ پر گرے

تو یقیناً خدا کی ہنسی، سرخ لاوے سے اٹھے

مگر یہ خدا، یہ نرا ماورا

کھوپڑی سے ابلتی غلاظت سے صرفِ نظر کر کے بیٹھا رہا

تو زمیں تھور اُگلے گی

اور شور اس کے

بہت سبز سینے کی روئیدگی میں

فنا پھونک دے گا

دشت مرا مہمان ہوا

کچھ برس پیشتر

جب وہ آیا تو میں نے اسے

اک منقش کٹورے میں وحشت پروسی

خجستہ ہواؤں کو اندھے کواڑوں کی جانب دھکیلا

بغل سے چپکتے، نمک کی سفیدی کو چھیلا

گھماؤ کو جامد کیا اور کانسی کے کوزوں میں دریا انڈیلا

گلی کے غزالوں کو آواز دی

بے پناہی کے رم کی دھڑک باز کی

اور چوبی چھتوں سے لٹکتے ہوئے قمقموں کی جھمک "پاز" کی

صبح تک اس کی سرسبز آنکھیں

کسی دلدلی جھیل پر تیرتے کاسنی پھول کی پتیوں پر فدا ہو چکی تھیں

مگر میں ڈھلانوں پر اگنے سے پہلے، سیاہی سے لتھڑے ہوئے

اشرفی کی تقدس بھری باس پر مرمٹا

اب یہاں ایک لمحے کے باطن میں سب کچھ ہے جیسے:

گلہری کی دم پر پھدکتے ہوئے ریت کے سرخ ذرے

سرابوں کے ململ میں چھدرے شگافوں کے خدشے

مہکتے لحافوں کی موجودگی میں جمی خواہشوں کی صبوحی

مگر بے دلی ہے

سنا ہے کہ اب ایک جھرنے کے رتھ سے

سہکتی کرن لجلجاتے چناروں کی جانب سرکنے لگی ہے

پہاڑی کی سلوٹ سے ابھری ہوئی ماہتابی للک

بدتمیزی کا شک

اس پرانے تعلق کو کھا جائے گا

دشت کا ذائقہ میرے لہجے کے چٹیل پہ اوندھا گرا تو چیخ جائے گا

----

*Pause

مونچھ والی حسینہ

عمر، چھتیس برس

اوپری ہونٹ، لامبی لوؤں کی ٹکوروں پہ سرسر سہکتا

چٹختے بدن پر لعابی اجازت کا امکاں پھسلتا

کھلے دن کی چھت پر چھڑے تلوؤں کی جو کھڑ کھڑ سلگتی

تو کمروں کے اندر اندھیرا چہکتا

ادھر ابتدائی دنوں میں منڈیروں کے کنگرے

فلک بوس ممٹی پہ زاغوں کی کاں کاں

ڈھلے موسموں کی اداسی کا غوغا

ادھر اک تناؤ بھری تحتگی

اور چڑیوں کا چوگا

چھلکتی، پھسلتی ہوئی مچھلیوں کی تنی دم نے گاڑھی سیاہی کو بھوگا

وہ گدے کا ریشم

بہت نرم ہوگا

ہم خسارے ہیں

کیمیائی تغافل کی تخلیق ہیں
سالموں سے ابھر کر
دھواں کاڑھتی پھسپھسی سی مشینوں سے نکلے
ڈھلی روشنی میں پھسلتے
کھلی مارکیٹوں تک آئے
کتابوں کے پہلو میں
مینی کوئن کی قدم بوسیوں پر
فدا ہو رہے
اور ادھڑتے مساموں سے بہنے لگے
جیب کی جھرجھری۔۔۔۔۔سن رسیدہ طلب
سنگ بستہ حسد پر بھی حاوی نہیں
ہم خسارے ہیں
یعنی عمودی ارادے کے راوی نہیں
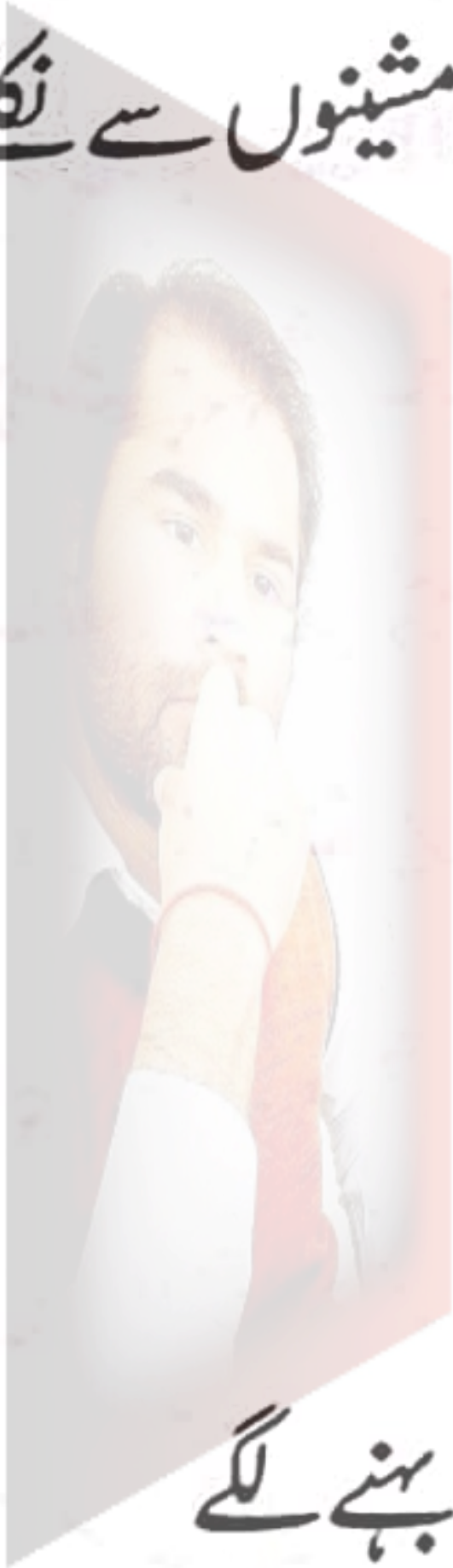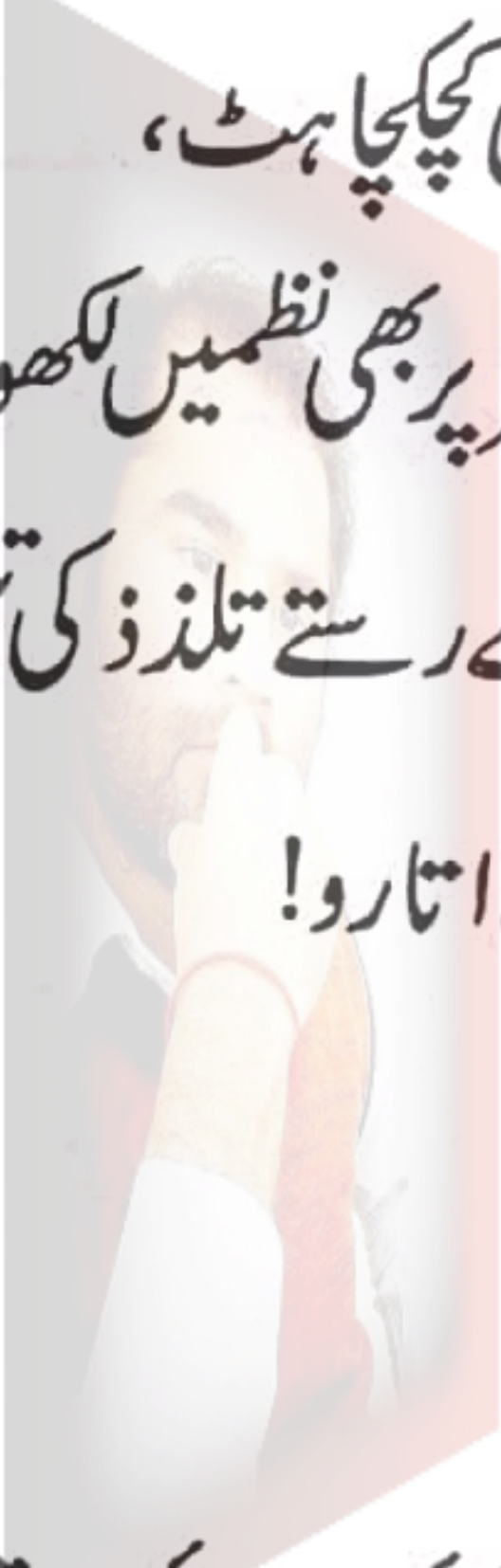
شاعر میرے عہد کا

گاچنی کو چباتے، ضیا بار دانتوں چڑھی کچکچاہٹ،

ہمکتی جوانی، اکستے ارادوں، بہکتی کمر پر بھی نظمیں لکھو!

شعر میں سانولے اور مجبور بوسوں سے رستے تلذذ کی تلقین باندھو!

دھڑکتے ہوئے گرم سینوں سے ابرق اتارو!

ہزیمت کا چابک

برہنہ تمنا کی پنڈلی پہ مارو!

مگر روہنگیا کے گلے اور سڑے ماس کو بھی طلائی طباقوں میں رکھو!

یمن کی رکابی میں پرسہ پروسو!

کبھی ایسی قبروں کو دیکھو!

جنہیں لب گرفتہ کدالوں نے گالی بکی ہو

وہ آنکھیں جو ٹیلوں پہ وحشت بھری بستگی میں ہراساں

بھٹکتی رہی ہیں

کبھی ان میں صندل کی ٹھنڈک اتارو!

کبھی عصفری کے ہمکتے ہوئے پھول توڑو!

انہیں پیش کردو!

جو کانٹوں بھرے راستے میں کھڑے ہیں

یہ شامی جوانوں کے لاشے پڑے ہیں

انہیں تھوڑا رولو!

ذرا سبز ہولو!

مگر صرف شہرت کی گرویدگی

زرد شوریدگی

ہائے ژولیدگی

ہائے یہ سادگی

دشت دیکھا نہیں اور غزلوں میں وحشت ہی وحشت بھری ہے

گلہری کی دم

جھاڑیوں سے نکلتے ہوئے
ریشمی سانپ نے کچھ خراشیں بھی جھیلیں
مگر چپ رہا
کینچلی کو بدلنے کی مہلت نہیں تھی
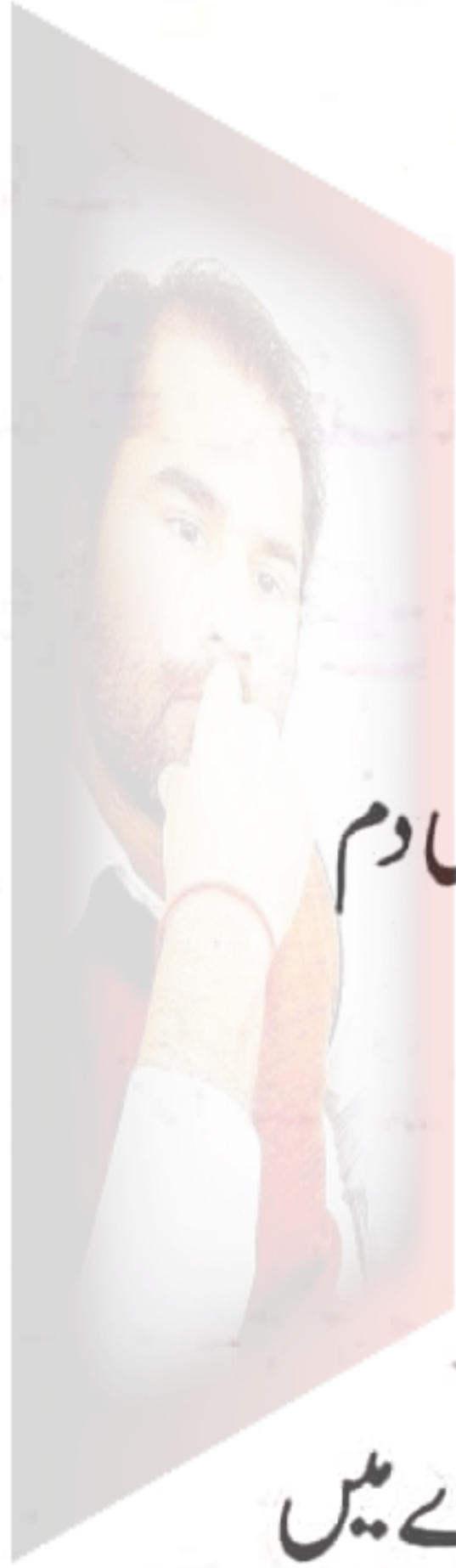
یہ لامبی گھنی گھاس پر لوٹتی اک گلہری کی دم
جس پہ ململ کا جھاڑو بندھا ہے
بڑی باخبر ہے
یہ سب جانتی ہے کہ کس کونے کھدرے میں
کس نے دبکنے کی خاطر بنائی ہیں ماندیں
کہ کس کو پرانے گھنے برگدوں کی جڑوں سے لٹکنے کی لت پڑ چکی ہے
بڑی باخبر ہے
یہ بجلی کے کوندے کی صورت پھدکتی ہے

اور جان لیتی ہے جنگل کے قصے

کسی لومڑی کی تناؤ بھری پسلیوں کا تپکنا

کسی بھیڑیے کے بدن پر کٹیلے کٹاؤ

خرد باختہ اور مسموم بھاؤ، سلگتا سبھاؤ

غزالوں کے سائے

ادھڑتے ہوئے نیلگوں رنگ نافے

تڑختے ہوئے شاخچوں پر مہکتے شگوفے

سبھی جانتی ہے

مگر مونگ پھلی اور اخروٹ کے تازہ گودے کے بدلے

جہاں وار دے۔۔۔ ہر خبر کو چھپا لے

بھلے سانپ کی کینچلی کے اترنے کی آواز ہو

بد دعائے ہوئے ہاتھیوں کے بہکنے کا اعراض ہو

خارشی بندروں اور بھینسوں کی جانب

بہت خشک موسم/تنگ باڑ ہو

یا کچھاروں کی سہمی سسکتی ہوئی ایک چنگھاڑ ہو

بوڑھا ناخدا/گرو جی گلزار کے لیے
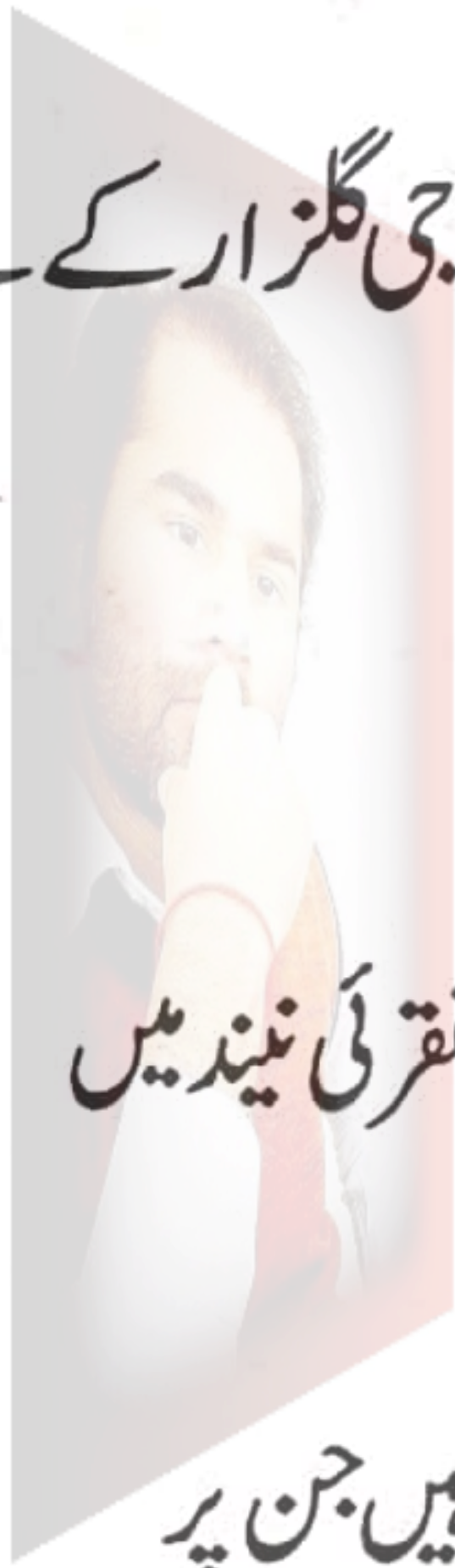
بادباں کیا گرا

آب خوروں کے اندر بھنور پڑ گئے

اس طرف اب بھی ہلکورتے عرش پر، نقرئی نیند میں

ایک عرشے کا دم ہے

مرے ہاتھ، ایسے کچوکوں کی زد میں ہیں جن پر

تغافل کی ٹیڑھی لکیریں کھنچی ہیں

یہی "کاربونیٹ" سے بھرا کانچ، بارش میں سسکارتا تھا

یہی وہ حسد کیش پتوار ہیں جن پہ احسان کی ڈوریوں کے تھے چرکے

زمانے کا دریا بہے جا رہا ہے

مگر باد پیما پہ سب کو ہنسی آ رہی ہے
گھڑی کی ابھی سانس پھولی نہیں ہے
وہ بوڑھا جو کبڑے یگوں کی غلاظت سمیٹے
ادھڑتے ہوئے گرم تختے پہ بیٹھا
اداسی کی تاڑی، غٹا غٹ پیے جا رہا ہے
مرا ناخدا ہے
کہ "دینہ" سے میری محبت سوا ہے

راون بھسم نہیں ہوا تھا

"وبھیشن" سمجھتا تھا

نافے کا نرسل سے چھدنا

کمانوں پہ طعنہ زنی ہے

جو ترکش کی عجلت پہ اکڑی پڑی تھیں

لرزتی کٹاری کے آگے عدد میں زیادہ

سروں کا تکبر بہت بولتا ہے

اگر ناک کٹنے کا مطلب ہوس ہے

تو اگنی، تکونی مرادوں کی مکتی پہ ہنستی، لہکتی، بہکتی

بنوں سے گزرتی، ہوا کی گھنی پسلیوں میں اترتی

سرکتے ہوئے جسم کے مرکزی دائرے سے ابھرتی

مگر اپنے حق کی لڑائی کو جائز سمجھنے میں کیا مسئلہ ہے؟

"وبھیشن" کے سچ نے "وبھیشن کو بھوگا نہیں"

سو "راون" کبھی "بھسم" ہوگا نہیں

کراچی کی ڈاچی

کراچی کی "ڈاچی"

نکیلوں کی مہلت

خلا میں کھڑی ہے اناروں کی دہشت

نہ جڑ ہے نہ "گاچی"

کسی سے بھی پالان اترا نہیں ہے

مٹکتی پہاڑی کا وسطی علاقہ

بھروسے سے خالی

سمندر کا پانی

کراہت سے جنمے ہرے موسموں کی

کسیلی جگالی

بجھے قہقہوں کی مہذب سی گالی

یہی ہے وہ بوری

کہ جس میں پڑی ہے پھڑکتے ہوئے ماس کی باس کوری

یہ ڈاچی نگوڑی

کہ جس کے پھپھولوں پھلے پھیپھڑوں نے

ہوا تک نہ چھوڑی
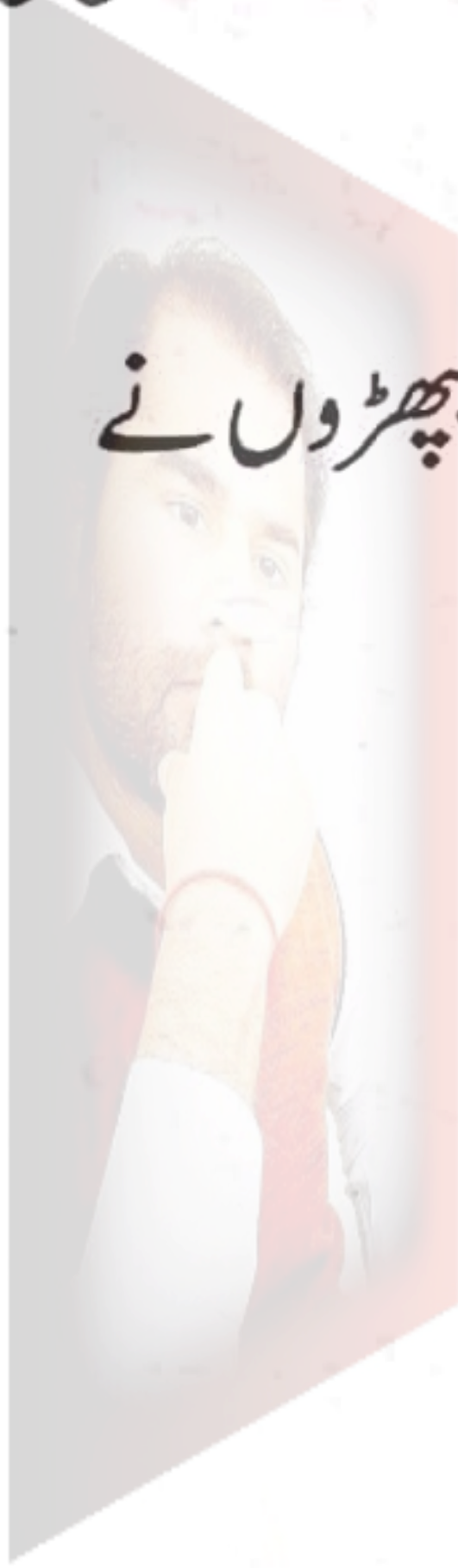
سوہنی کا پکا گھڑا

چل گھڑیا اس پار کو چل!

اس پار جہاں اک یار کی ران پھسلتی ہے

اک نتھری خواہش پھلتی ہے

اور نسری دھان مچلتی ہے

اس جھینگر کی آواز پہ چل!

اس پروا کی پرواز پہ چل!

[وہ یار بڑا سودائی ہے]

اک دریا کوڑھ کمائی ہے

اک مٹی میگھ کی چکنائی

اک آنکھ "کرودھی"، ہرجائی

مجبور نہ کر! یہ پکا پن ہے عیب نہیں

یہ مستی بھوگنے والے جسم کی تنہائی "لاریب" نہیں

چل گھڑیا اس پار کو چل!

شاعر اور مزدور
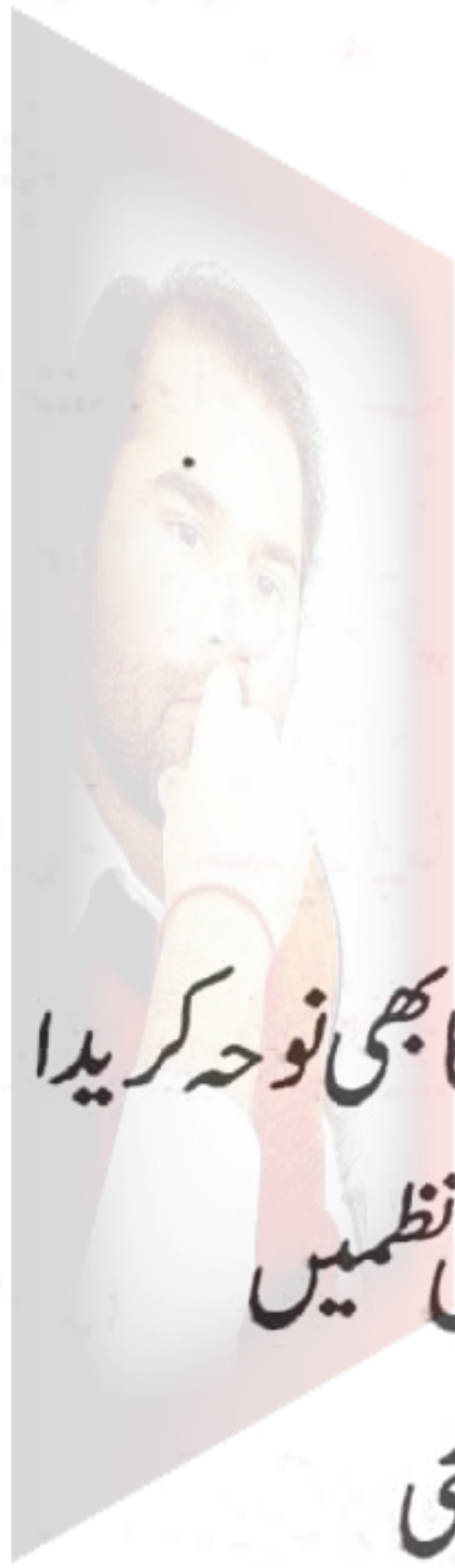
بہت خون تھوکا

[مگر شاعری میں]

بہت خواب دیکھے

[مگر دوسروں کے]

اصولوں کی سل سے بندھی خواہشوں کا بھی نوحہ کریدا

کتابیں لکھیں؛ شعر، غزلیں بہت پھیکی نظمیں

دلائل کا غوغا، کہیں رائگانی کی زنجیر کھینچی

کہیں صرف پستان اور ناف تک ہی ہنر کی درانتی چلائی

مگر کارخانے کے اندر بندھے ریوڑوں سے

پسینے کی بدبو، گھنے جوہڑوں سے شناسا نہیں تھا

کبھی بس کی چھت پر ٹھٹھرتے ہوئے تند جاڑے میں کھیسی کی بکل

کبھی ایک روٹی پہ دو دن توکل

کبھی صرف پانی کے دو گھونٹ پینا

کبھی حلق میں اک ادھڑتی طلب پر بجھے سگریٹوں سے جھڑی آگ سینا

کواڑوں کے پیچھے چھپے روگ جینا

بہت ہی کٹھن ہے

یہ شبدوں کی شوکت جو اردو کے چولہے پہ رکھے بڑے دیگچے میں

برس ہا برس سے "گڑکتی" رہی ہے

اسے میں اتاروں، سڑک پر پساروں

بجھی آنکھ والے لرزتے، لڑھکتے ہوئے ایک مزدور کو

دگنی اجرت پہ رکھوں

اور اگلی صدی تک دبا کے لتاڑوں
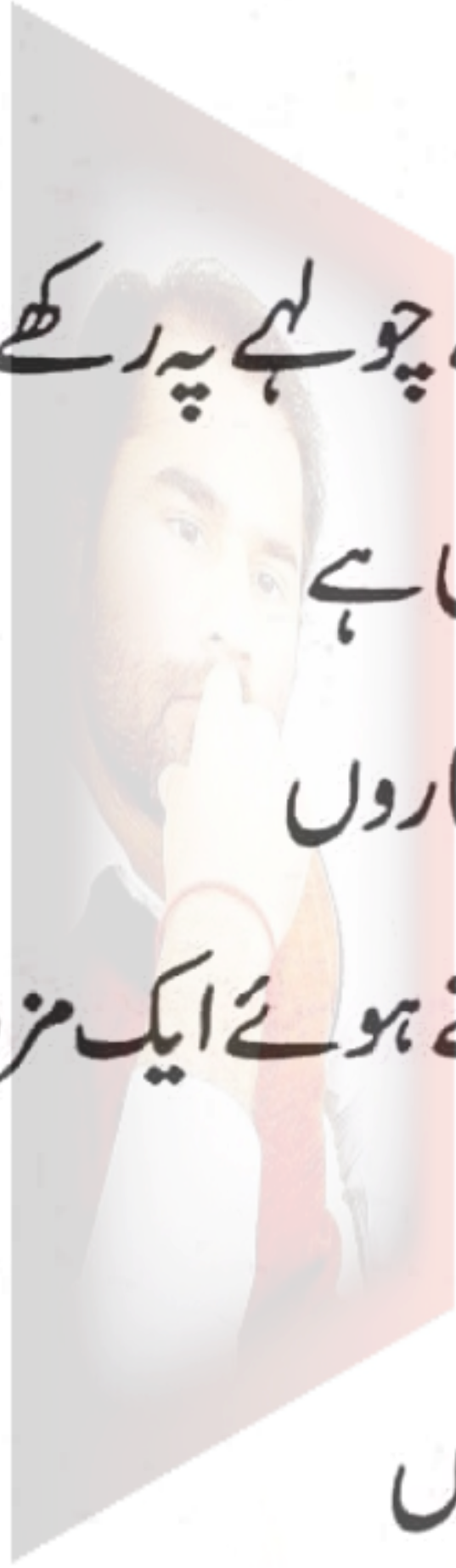
بچہ جمورا

جمورے کی، گھنی لامبی بھنوؤں کی اوٹ میں

کنچوں کی وحشت بدبداتی ہے

نمک بہتا ہی رہتا ہے، رسیلی نیند سے جھڑ کر

رسن بستہ مرادیں پاؤں کی مٹی کو چھوتی ہیں

مگر اک ڈگڈگی کے چام پر آواز کی چٹکی نہیں کھلتی

رسولی بڑھتی جاتی ہے

گہے گٹھلی گراتا ہے

گہے گرزیں اٹھاتا ہے

گہے درزوں کی حیرت پر، سپولے چھوڑ دیتا ہے

مگر اک ڈگڈگی کے چام پر آواز کی چٹکی نہیں کھلتی

یہی مجمع جسے وہ جانتا تھا ایک مدت سے

اب اس کی جان لینے پر تلا ہے

تماشے کی کمانی ٹوٹ جاتی ہے

وہ خود کو خود بلاتا ہے

"جمورے! خواب دیکھے گا؟"

"نہیں استاد! آنکھیں پھوٹ سکتی ہیں"

مگر استاد پچھلے ہاڑ کے میلے کی بارش میں

پھسل کر کیچوے کے ساتھ بہہ نکلا

جمورا، اب اکیلا ہی تماشے کی بڑی گدی پہ بیٹھا شور کرتا ہے

کسی آواز کی چٹکی نہیں کھلتی

لوڈشیڈنگ

چابیاں کھو گئیں
طاقچوں سے ادھڑتی کسیلی شبوں کی اداسی کے پلو میں
کالک بندھی رہ گئی
آہٹیں جم گئیں
چرم کی مشک میں چھپکلی چھپ گئی
ایک دیوار پر خارا گنے لگے
بددعائی ہتھیلی کے پہلو سے اٹھے، لہو کے فوارے
کراہت بھرے مومیائی نظارے
پلنگ سے لڑھکتی ہوئی چرچراہٹ
پرایا بدن، اجنبیت کی کھٹ کھٹ
یہی قمقمے تھے جو پہلے نویلی دلہن کی طرح جگمگاتے تھے اب
راکھ دانوں کے قصوں کا دکھ ہیں
یہی نسل ہے جس نے دیکھا ہوا ہے

اندھیرے کے باغوں میں چھپتا سویرا

سیاہی کے پہلو میں اجلی لکیریں

چلیں کیک کاٹیں!

چلیں مسکراہٹ سے چپکی ہوئی اپنی باچھوں کو چیریں!

اگر نزخرہ کھردری گالیاں سہہ سکا

تو خدا سے کہیں گے، کہ بجلی کا کوندا

زمیں پر بھی پھینکے

ذرا جنتوں کے دریچوں سے چپکے ہوئے نرم کہرے کا سیال بھیجے

ہمارے سلگتے سروں پر انڈیلے

پسینے کی دھاری کمر چھیلتی ہے

شہرت

گزشتہ صدی کے اواخر میں جب

ایک لوکل رسالے میں پہلی غزل کی اشاعت پہ میں نے

پرانے سبھی دوستوں کے کہے پر سموسوں،

چھلکتی ہوئی کوکا کولا کی دعوت اڑائی

تو بٹوے میں چودہ روپے بچ رہے

ایک سگریٹ کی ڈبیا کی قیمت سے چھ سکے دوری

سبھی کی مشقت فقط "چار" سکے

سوُدو" کی ادھاری

ہوا پر کسی لہریے کی سواری

دھوئیں کی پھدکتی ہوئی ایک دھاری

سٹیشن کے پہلو میں یاروں کی یاری

کسی کے لبوں پر تراشیدگی کے قصیدے

رسیلے پلوں کے پھڑکتے حوالے

کسی ملگجی آنکھ میں بدتمیزی کے جالے

کسی کو سماعت کا آزار لگنا

بھروسے کے بنچ پر گماں کا کھسکنا

بہت نرم تلوے میں کانٹے کا کھلنا

وہی کل کہانی وہی کل زمانہ

پھر اک روز ہم میں سے اک دوست نے فیس بک کا بتایا

نئے آسمانوں، نئے ہم صفیروں کی حاجت نے

"پوروں" کا مصرف اسارا

نگاہوں کو بس اک منطقے سے گزارا

ہزاروں نے جانا، ہزاروں نے چاہا

مگر گول گپوں کے پانی کی ترشی

سمٹتے ہوئے دوستوں کی تلاشی

کسی چیٹ فورم کسی بھی سٹیٹس سے جھلکی نہیں ہے

ہزاروں کی یاری سٹیشن کی دھندلی گھڑی پر جھگڑتی نہیں ہے

یہ یاری کوئی مستقل ریل گاڑی پکڑتی نہیں ہے

روانگی

"آری آری

تجھ پردیسی سے، اب کون لگائے یاری"

سبھی رشتہ داروں کی خوش گپیوں میں روانہ ہوا

لال بکسے میں اپنے "سعیدی قبیلے" کی مونچھوں سے جھڑتا ہوا فقر سینتا

بھٹکنے کی علت اٹھانے سے پہلے کئی تازہ قبروں پہ آنسو گرائے

اجالے میں لپٹی، مہکتی ہوئی قبر جس کے سرہانے پہ چڑیوں کا چوگا

بہت سرد پانی، ہری موم بتی، اگر کی روانی، یگوں کی کہانی کا گریہ پڑا تھا

"جلالی" تحفظ کی واحد علامت کا بہروپ ہی تھی

لچکتے ہوئے ننھے شیشم کو چھو کر

ہری من بھری لامبی برسیم کی پتیوں پر اجازت کی شبنم انڈیلی

درانتی کے دستے کو بوسہ دیا

اور کنویں کے کنارے پہ شہتوت کے شاخچوں کو شمالی طرف کو دھکیلا

گھماؤ کے پہلو سے کھسکی سڑک تک پہنچنے سے پہلے میں سننے لگا دور
بیلوں کی گردن کے گھاؤ سے رستی ہوئی گھنٹیوں کی تسلی
رہٹ کی وہی چیخ جس سے مرے چار پر کھے، لہو کی توقع کی تشکیل
کرنے کا فن جانتے تھے
وہ لوری جو پنچم سے پہلے کے سر میں گھلی جا رہی تھی
نمو کی 'ترنگلی" پہ اڑتے ہوئے نقرئی ابر پاروں کے ٹھٹھے
کڑکتے ہوئے جامنی رنگ لٹھے
ترازو کی آہوں سے چڑتے ہوئے کھلکھلاہٹ کے گٹھے
مرے گرم تلووں کے نیچے پھسلتی مسافت کی جائے اماں
اور ٹھکانہ نہیں تھا
مگر میں کہیں بھی روانہ نہیں تھا
فقط چار گز کی اداسی کے پہلو میں لیٹا دھواں پی رہا تھا
جو پسلی کے اندر اذیت کی پوتھی سے لپٹی سنک جی رہا تھا
انہی چار کونوں کے قصے میں شاید
یہ ہو ہو ۔۔۔۔ یہ ہا ہا ۔۔۔۔۔۔ یہ ہی ہی رہا تھا

یہ چپو چام کا چپو ہے

گھاٹ لگے یا مجبوری کی منجدھاروں کے پاٹ چڑھے

اب نیّا کون کھویّا کے بازو کی ہمت کاٹ سکے

اس چپو نے ہر تختے کی کرلاٹ سنی

اس چپو نے ہر ہاتھ کا جبر کا آپ سہا۔۔۔۔۔خاموش رہا

یہ چپو چام کا چپو ہے

ہم چاہیں بھی تو چھل چھل کرتے "سُر گ" سے اتری

نین مٹکتی، ایک سنہری مچھلی پر دو ہتھڑ مار نہیں سکتے

ہم چاہیں بھی تو لہر دھنش پر، بھید کا زہر بجھا اک بان اتار نہیں سکتے

اس چام کے چپو کے ہوتے، ہم ہرگز ہار نہیں سکتے

اس کانچ پہاڑی پار پڑا ہے

کبڑے سانسوں کا انکار

اللہ ہو مختار

دیسی لبرل

کانٹینینٹل کے شفاف شیشوں سے چپکی ہوئی دلنشیں مکھیوں کی قسم!

جھونپڑوں سے جھڑی ہے اضافی ضرورت کی بدبو

جو نتھنوں کے ننھے مساموں کے اندر پڑی رو رہی ہے

یہ بوتل جسے تم نے "باٹل" کہا

اس کے لیبل پہ مغرب کی عیاریاں

ان وسائل کے آگے زیادہ ہیں

جن پر ابھی اوسط کے ضابطے کوئی لاگو نہیں کر سکا

مصنوعاتی وضاحت کے پیشِ نظر

اپنی تہذیب کے روشن اطوار کا ذکر بھی عیب ہے؟

جن سماجوں کی بابت ہمیں یہ سنہرے مناظر دکھائے گئے

ان کو انسانیت کی خبر ہی نہیں

جن کو پیمپر ین اور اعلی صفت بلیوں کے "بموں" پر مہکتے ہوئے نرم

ڈائپر گھسانے کی عادت پڑی ہے

جنہیں نصف دنیا جلا کر بھی راحت نہیں مل سکی

اس تعفن زدہ صارفیت کی تھیلی سے نکلے ہوئے دیسی انڈوں

کے اندر سکڑتا ہوا کیلشیم

اب دراوڑ کی تہذیب اور بھیلی تمدن پہ طنزاً ہنسا ہے

کہ بگلوں کہ پہلو میں کوا کھڑا ہے

ربار بامینہ برسا

اگلے برسوں میں "رکڑ" زمینوں کے پہلو میں لیٹے ہوئے ذائقے کا

گماں جب زباں تک نہ پہنچا

تو نتھنوں نے لوہے کے دڑھیل بھڑولے میں

دبکی ہوئی گندمی باس پی لی

چمکتے ہوئے لبلبے نے سفیدی بھری

کوری ہانڈی میں ہاڑے کی گڑ گڑ سنی

اور ہونٹوں نے الحمد کا ورد کرتی ہوئی مسکراہٹ چنی

اک بلاوے پہ بادل کے ٹکڑے نے بارش بنی

اب پھلاہی کی لاکڑ سے رستی ہوئی جھاگ سے، پیٹ بھرتا نہیں

اب جئی کی لچکتی ہوئی لامبی مونچھیں، گھڑی کا ابد گیر چکر بناتی نہیں

کوئی چکی کے "پڑ" کو گھماتا نہیں

کوئی "ہتھی" سے جھڑ کر گرا لمس اٹھاتا نہیں

آسمانوں سے بادل کا ٹکڑا، ہمارے پکارے سے بھی نیچے آتا نہیں

سفوف ٹھنڈک

فراریت کی الائچی کے نفیس دانے
اگر مصفا کٹوریوں کی کناریوں سے پھسل کے اتریں،
طلب کے اجلے، سفید زیرے کے ساتھ مہکیں
تو عورتوں کی سمجھ میں آئے کہ اک تہائی کو کل سمجھنا
متین آنکھوں کا مسئلہ ہے
کہ مرد جاتی کو گالی دینے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ
بس کی تپکتی چھت پر کدال اٹھا کر سفر کو ہو لیں، پہاڑ توڑیں
یہ جھاڑ وکٹکا بھی اک بلا ہے
رسوئی گھر میں اداسیوں کی سفید شکر
تھکن کی کشنیز میں ملے تو ہوائی ٹھنڈک سے جسم کانپے
یہ نومہینوں کے غلغلے کا جہان بھر کے ہر اک فریضے
پہ طنز کرنا عجب نہیں ہے؟ ــــــــ کہ "چندا ماموں" کو
چاچو چندا بُلائے جانے تک ایک جھڑکی کا مرحلہ ہے

کس گر

یہ کس گر ہے
یہ مٹی کی مرادوں کا محافظ ہے
تغاری سے اٹھاتا ہے
بڑے چکر بناتا ہے
کھلے پیندے سے چڑتا ہے
کہیں انگارا گتے ہیں
کہیں زنگار کھلتا ہے
مگر اس کی ملاحت سے بھری آنکھیں خریداروں کے ہاتھوں کی
مہک تک "چانپ" لیتی ہیں
یہ قلعی کے ادھڑنے تک
نئے سکوں کی ریزش کا ارادہ بھانپ لیتی ہیں
یہ کس گر ہے
یہ مٹی کی مرادوں کا محافظ ہے
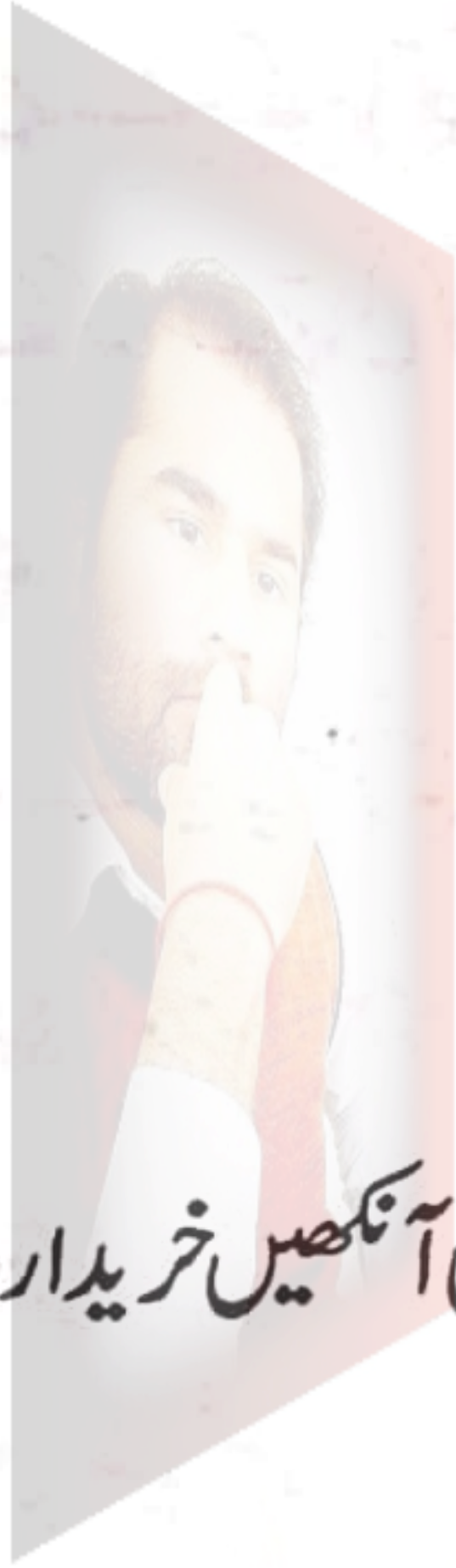
خود سے بڑا شاعر "نعیم رضا بھٹی کے لیے"

بڑبڑاتے ہوئے اک بڑے چوک میں

ملگجے کی قلابازیوں سے ادھر

نرم کہرے میں لپٹا، کنارے کو تھامے

.معطر دعاؤں کا مرکز کھڑا ہے

مخالف طرف کچھ غصیلے، کٹیلے صداکار

ٹھیلوں کے پیچھے دھواں پی رہے ہیں

یہ ڈھابوں کے آگے بڑے تانبیے میں

گڑ کتے ہوئے شوربے کی مہک

اور توے پر "شٹر شر" کی تازہ سرک

اک سڑک اک دھڑک

چند قدموں کی عجلت سے آگے وہی، بیلیوں، ٹولیوں میں گھرا

زندگی کے بھبھوکے اڑاتا ہوا

ایک شاعر کھڑا ہے

جو خود سے بڑا ہے
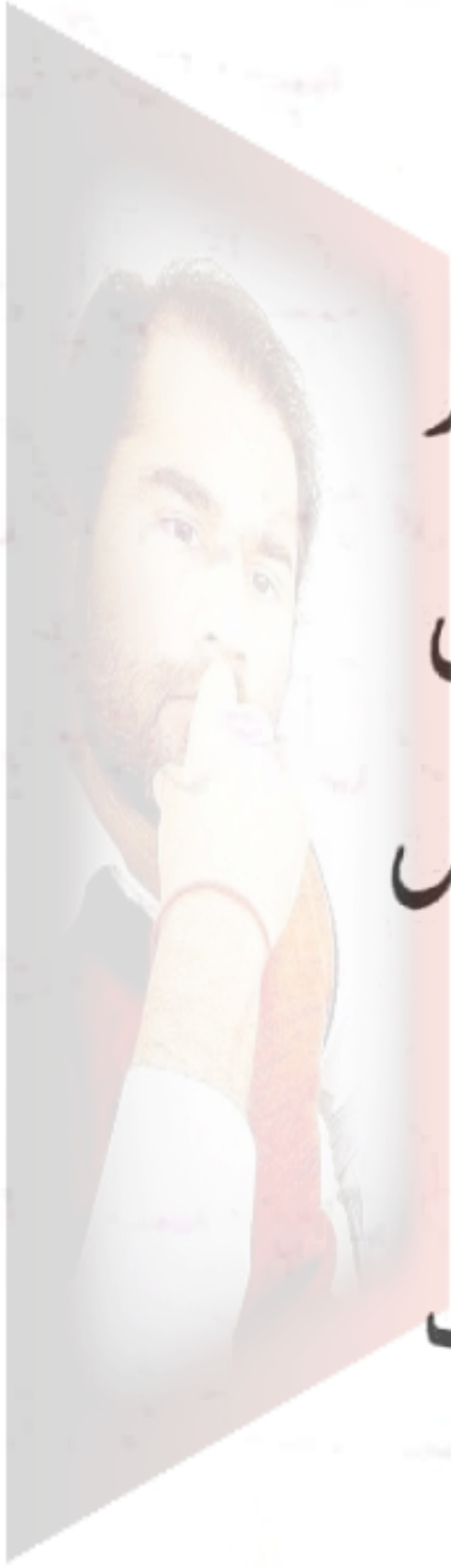
گھڑونجی

ابھی سورج کے کنجے میں دراڑ آتی نہیں تھی
اور میں برتن کو بغل میں داب
آنگن پھاند کر "چرپائی" کے اوپر گلاٹی مار
بے بے رحمتے کے گھر میں ہوتا تھا
مرے ہم سن، جو باچھیں کھول کر ہنسنے کی کوشش میں
لڑھک جاتے تھے،
ڈر جاتے خدا کے نور سے، چاٹی کی چر چر سے
منقش برتنوں کو مانجھ کر ترتیب سے رکھنے کی جلدی میں
گھڑونجی کپکپاتی تھی
گھڑوں کی بستگی آواز دیتی تھی
مگر بے بے کے دڑھیل ہاتھ، میٹھی لوریاں گاتے
اُجالے کی منڈیروں تک پہنچ جاتے

گھڑونجی کا ہر اک پایہ، زمیں سے آسماں تک نیند کا احساس گھڑتا تھا

پکھیرو، پھول چنتے تھے

مری آنکھیں، خدا کا نور بھرنے تک

لچکتے گڑ کی بھیلی کی مہک میں ڈوب جاتی تھیں

بڑی مسجد کے مولانا بھی کہتے تھے

" گھڑونجی کی نگہ بانی فرشتوں کو نہیں آتی"
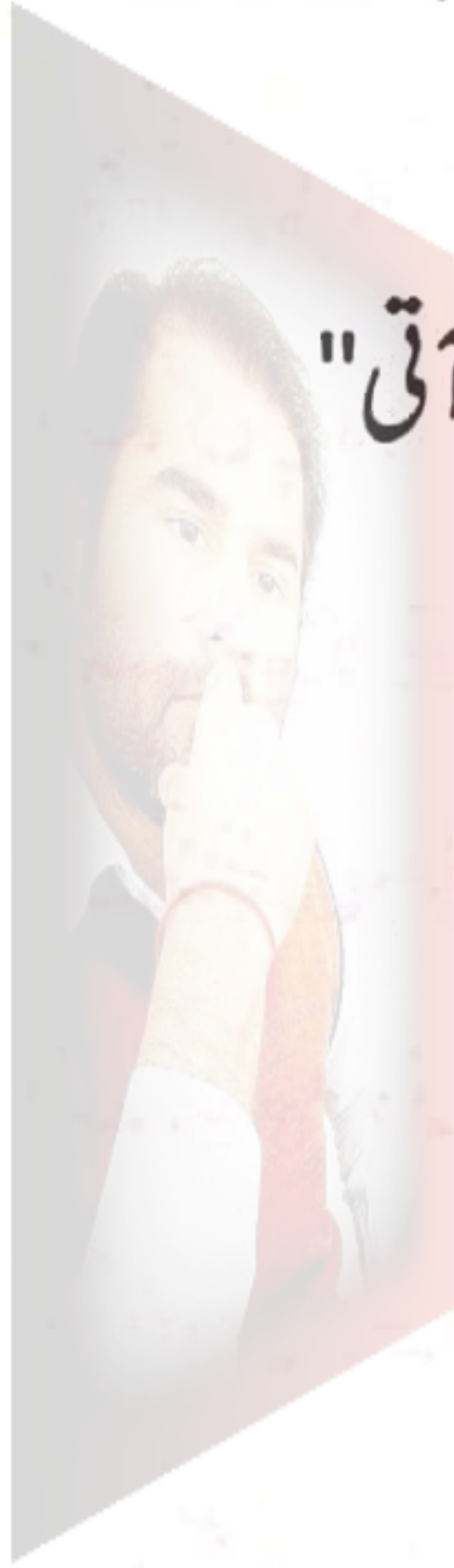
دوربین

عدسوں کی مربوط اجازت

آنکھ سے جھڑ کر گرنے والے جھلی پر مامور ہوئی

کچھ نقش ابھر کر پھیل گئے

اک مٹی پر دو زاغ بھڑے

اک چڑیا کا نقصان ہوا

اک شیشوں والی بالکنی میں شام ڈھلی

اک بید کا صوفہ ٹوٹ گرا

اور کولہوں سے ہیجان اٹھا

اک نیلی چھت سے صحن میں پھسلی حیرانی

اور جھلی کی کسمستی "چڑ پڑ"

دوربین کی گولائی سے بیزار ہوئی

اس کچی آنکھ پہ قدرت بھی حیران ہوئی

ارتھ شاستر

اور اب دیکھیے!

صرف "چانکیہ" کی ذہانت

چماروں کے تلووں کے نیچے پڑی ہے

ہزیمت کا پہلا محرک

ریاست کے اپنے مفادات کے بطن سے ہی ہویدا ہوا ہے

اسی پاٹ شالہ کے اندر جہالت کی کالک

سمٹ کر کھلے گی

خجالت کا ملبہ کہاں تک بکھرنے کی کوشش کرے

"موریا" نے ابھی آسمانوں سے اترے ہوئے قاعدے

پر جمی گرد جھاڑی نہیں

دوستا! یہ ٹکیلا ہے

دھیرج سے پی! ۔۔۔۔ میٹھی تاڑی نہیں

ہجر کی پوٹلی کھل گئی

"اور کیا کیا ہوا؟"

اک بھروسے کی ٹہنی سے چپکے ہوئے درد کے لاروے پھٹ گئے

بدبدی ساعتوں کا ہرا بور گرنے سے پہلے کڑکتی "دوسانگی" میں

وحشت کی گردن پھنسی

بدتمیزی کی جڑ کے "ٹشوز" اک زمستاں سمیٹے سکڑنے لگے

ہجر کی پوٹلی کیا کھلی

آئنے کھل گئے۔۔۔راستے چل پڑے

خواب دانوں سے لڑھکے، تمنا کے کوزے

جمی تلچھٹوں کی حفاظت پہ مامور کوری تمنا کے کوزے

ادھر، بائیں جانب کچوکے اٹھے

اور ادھر زہر خند آگ اٹھنے لگی

دو وسیلوں میں اک بھی مناسب نہیں مل سکا

گرم نتھنوں کے اندر، اکھڑی ہوا کا تناسب نہیں مل سکا

اور کچھ بھی نہیں۔۔۔

ڈربے کے شاعر

تن کے نوسیکیے

من کے بوجھل سمے کو بھی حرفت میں لائے

کڑک مرغیوں کی طرح

ہر بنیرے پہ پھدکے

کھجاتے کھجاتے، نکیلا، چمکدار پر

ناک میں جب ترازو ہوا

حلق ہڑ ہڑ سے یک دم غٹک ٹک پہ ٹھٹھکا

قلندر کا بندر بھی

ڈربے کے اندر

" ککڑوں کڑوں ماہیا

اک توں دل وچ وسنا ایں

تے دو جاوی وسنا ایں توں ماہیا" "

ترازو کے باٹوں کی تقسیم کچی

طرف دار بچے

قلمکار بچی

یہ تالی ہے سچی

بہت خوب یارم!

ارے کیا ہی اچھی
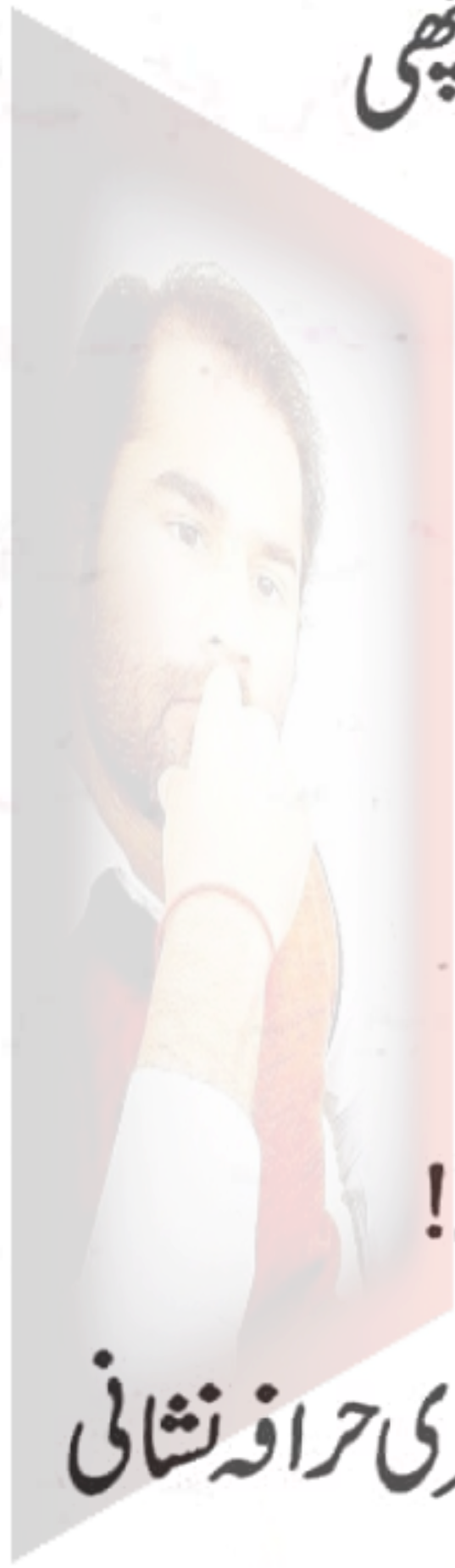
غزل ہے

"نظم" ہے

حیا ہے

"شرم" ہے؟

او جانی! او جانی!

یہ گردن پہ ابھری حرافہ نشانی

کرائے کی سانسیں

کرائے کا پانی

یہ یونی ورسٹی

یہ کالج کہانی

کھٹمل اور ہجر زاد

چھل کپٹ بھی کیا

زہر چھڑکا بہت

کونے کھدروں میں آتش بھرا سرخ تانبا پھرایا

کوئی ڈیڑھ بالشت گہرے تھے رخنے

جو بھرتے نہیں تھے

سفیدی اتاری

فتیلے جلائے، کسیلی شبوں کے اندھیروں کو کھرچا

سرہانے کے نیچے سرہانے کے اوپر

بہت گرم تلوؤں کی چمڑی سے ہو کر

وہ اوپر چڑھے

گیت بجھنے لگے

تن کی بوسیدگی سے سوا

اندرونے سے اٹھتے تعفن کا دھڑکا

اداسی نے آنکھوں کے لاوے کو پٹکا

وہ اڑنے لگے تو لپکنے کی عادت سے مجبور لپٹوں نے گھیرا بنایا

کساؤ! کساؤ!

کمانی کے اوپر کمانی کے نیچے

شہادت! شہادت!

لہو کے رسیلے بڑے گھونٹ بھر کر

وہ لامبی گھنیری اداسی کی جڑ میں لڑھکنے لگے

"لائٹر" تے "ڈریگن" کا بہروپ دھارا

تو چڑ پڑ چٹختے طلائی روئیں نے نفاست بھری گندمی جلد پر

کچھ سیاہی کے دھبوں کو ٹانکا

وہ تانبے کا کشتہ

اجالے کے اگنے تک آنکھوں نے پھانکا

Yellow Dots

اٹھ مرے ہمدما!

میں بہت بھر چکا ہوں

چھلکنے کی خواہش کے کورے سخن سے

کٹیلا پھریرا

لپکتی ہیں لپٹیں

لرزتے ہیں ریشے

کھنکتا ہے سینہ

— چھنن چھن دھنک دھن

تنک نرتکی، پیلی ساڑھی میں لپٹی

بڑے سقفی جھولے پہ لیٹی

بڑھی توند والی کنیزوں کے جتھے

پہ حقے کی نے کو گھما کر وسیلہ گھڑے گی

(ٹھٹھولی کا پیوند۔۔۔چولی کے آگے)

نفاست اگلتا سنہرا گلوبند

پکے دنوں کی ہٹیلی تنومند

رندی میں خورسند

کڑے کوس گھومے گی لیکن فقط ایک مخصوص پگ میں ہوا کو مسخر کرے گی

پیالے نبیذوں بھرے ہیں

اجالے شنیزوں کے پہلو سے چپکی

اکڑفوں کو چھیلیں، سیاہی کو جھیلیں

کھنکتی، ہمکتی جواں دھڑکنوں کے سپولوں کو کیلیں

مگر آنکھ میں ایک پیلے سمے کے بہت پیلے نکتے

جو سارنگیوں پر تنی انتظاری شبوں کا بھروسہ رہے تھے

ابلنے لگیں گے
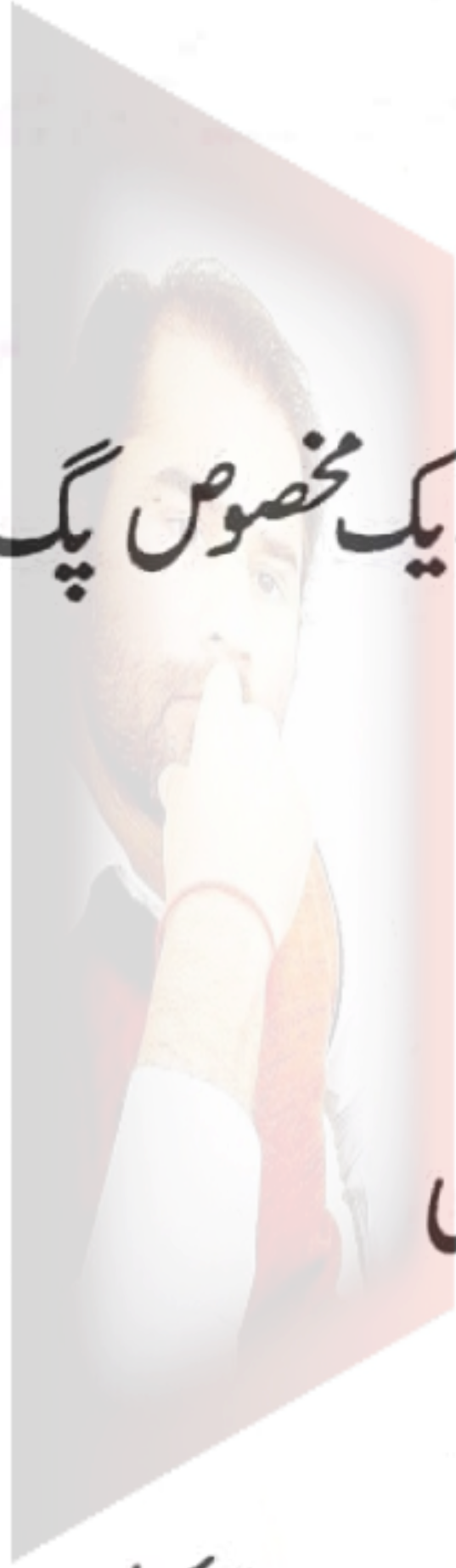
تو وحشت بڑھے گی

جو مرکز کی مٹی میں خاموشیوں کا دھواں کاڑھتی ہے

نکل ہمدما!

یہ فریبی نگاہیں

پھسلتی ادائیں کسی کی نہیں ہیں

نہ تیری نہ میری

سبھی کو اسی کینچلی میں لڑھکنا ہے

جس پر مری نیلگوں جلد کے پیلے نکتوں کے جیسے

بڑے دائرے ہیں

یہ مخلوق و خالق

فقط ایک پوتھی

فقط ایک قصہ

یہ تو ہے۔۔۔مکمل بدن

یہ میں ہوں۔۔۔ادھورا سا تن

یہ کھڑکی ہے
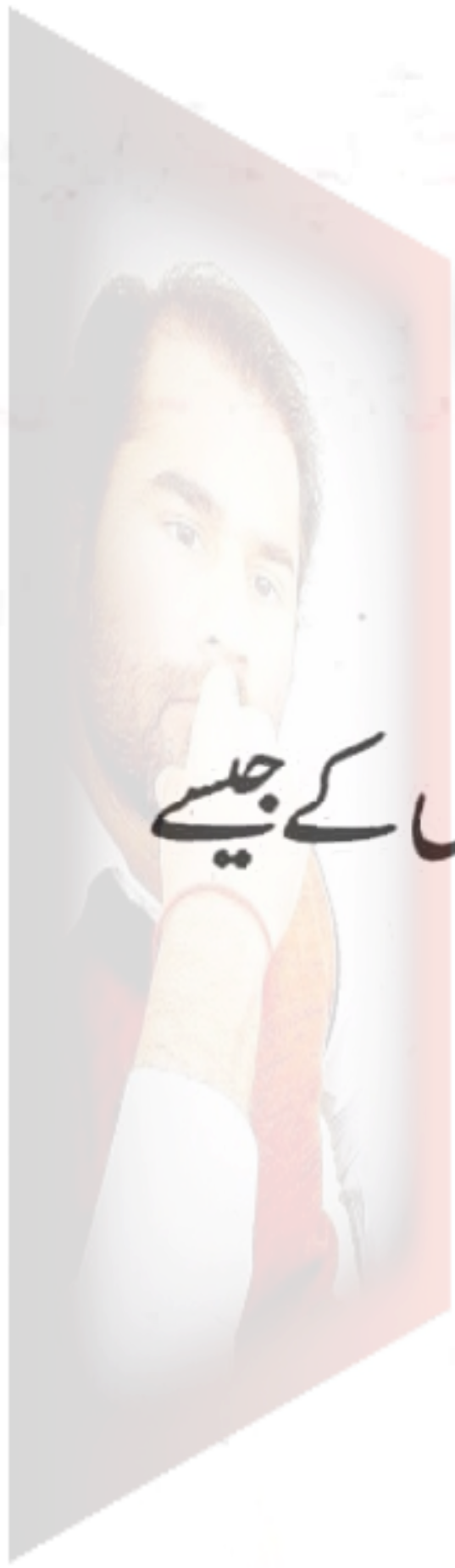
جو دھوپ کا آئینہ ٹوٹنے پر نہیں لاف زن

صرف ہلکورتا ہے تڑختا نہیں

گیت بجتا ہے لیکن

رسن اور تختے پہ چڑھتا نہیں

نیلگوں جلد کی اوپری تہہ پہ اتھلے ہوئے

نرگسیں پیلے نکتوں سے ابلی ہوئی پیپ کا رنگ ادھڑتا نہیں

اٹھ مرے ہمدما!

نیند کی کُل مختاری ہے

اور جب مَوت کی پہلی دستک نے ہی

بستر کے پہلو سے چپکے تکیے کی گولائی کو بے زار کیا تھا

تب اک گاڑھی حیرت کی وارستہ تپ نے

گھر تک آنے والے ٹھنڈے جھونکے

صحراؤں کی جانب موڑ دیئے تھے

دروازے کی دہلیز پہ پہروں جاگنے والی آنکھیں

نم کی پہلی کروٹ پر ہی

دیواروں کی سیلن چُنتے ہاتھوں کے چھجے میں مر جائیں گی

برسوں تک اس کھال میں آگ بھڑکنے سے

سرگوشی نے دروازے کی دَرزوں میں چھپ کر

جسم کی سوکھی لکڑی پر ہریالی کاتی

وَحشت چاٹی

زنگ بنی

لیکن زنگ تو لکڑی کے اندر بھی لگ سکتا ہے

آکسیجن اور پانی۔۔۔۔کیمیکل ری ایکشن

مَٹ میلی آنکھوں سے پانی کا رِسنا

دن کا مٹکا

خالی خولی جبڑے میں نوحے کا جھٹکا

ویرانی کا جھاڑو کٹکا

دروازے کی دہلیز پہ پہروں جاگنے والی آنکھیں

مٹی پھانکیں

یا پھر

ٹاٹ کے پردوں سے اک ریشم تن کی لپٹیں جھانکیں

تن کی حکمت

نرسل کاٹ کے

دھار تراش کے

پیٹھ کنڈے کے سوکھے پات کو آگ دکھائی

چٹکی بھر خشخاش اٹھائی

بھیگے تن کے بھیتر تک

کچھ آہوں کے خناس

بس مٹھی بھر پوٹاش

اور تھوڑا کچا ماس

اک پیڑ کا ٹھنڈا بور

اک سُوٹا کھینچ اور

آنکھیں میچ کے۔۔۔۔تا کی کوری حور

مزدوری ٹھٹھے کرتی تھی

کس قوس دھنک پر جھول گیا

اک بانکا تن مزدور
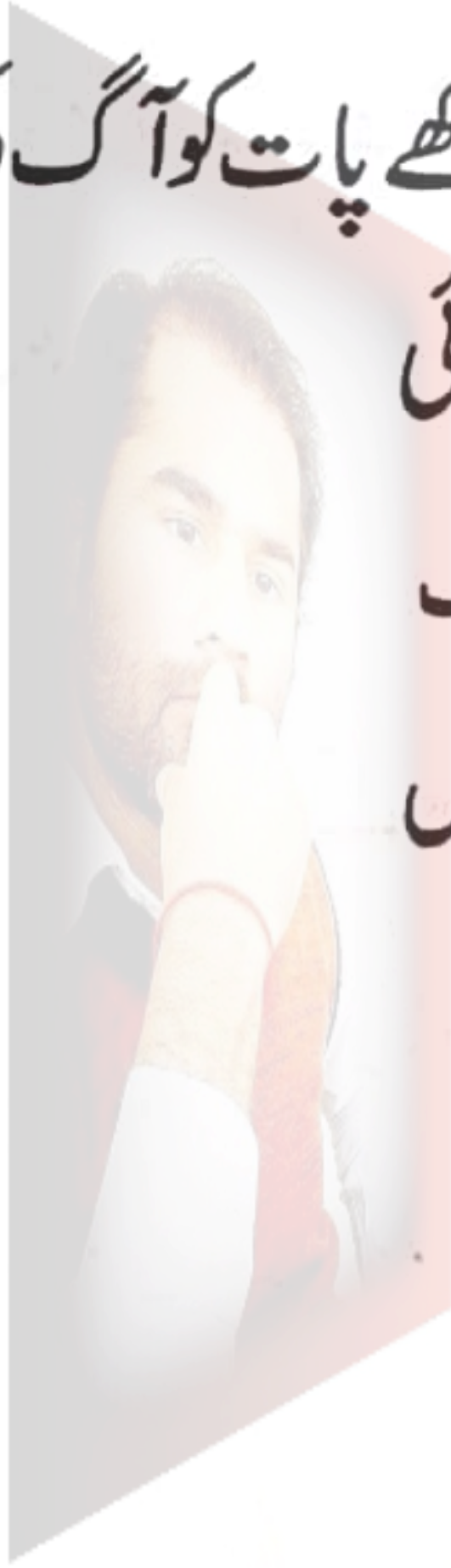
کوئی گھر دے گا کیا؟

/مراٹھی فلم نٹ سمراٹ سے ماخوذ/

کوئی گھر دے گا کیا

ایک طوفان کو

جو ہوا کی بڑی 'گوڑ' سے گر کے بھٹکا کیا

ایسی افتادگی۔۔۔ پاؤں بھی جھڑ گئے

جنگلوں میں چناروں سے چمڑی کو گھستے ہوئے

پنکھ بھی جل گئے

اب تو ریشوں میں اینٹھن کی گانٹھیں بھی اگنے لگی ہیں

کئی دن، کسی گرم تٹ پر پڑے اونگھنے کی مشقت

کئی دن کسی اندرونی ہزیمت کی ٹھنڈی سہولت

صاف ستھرے سمے سے بچھڑ کر کہیں

رینگتے کیچوؤں کی طرح جھومتی خانقاہوں، اجڑتی نگاہوں
جڑی تنگ گلیوں، کہیں کوڑادانوں سے ہوتے ہوئے
بالکنی کی پرانی بہت بھاری ریلنگ پہ لٹکے،
سفیدی لپے گرم کپڑوں میں گھسنا
فقط گھومنے کے ارادے کے ہیجان کو

کوئی گھر دے گا کیا؟

ایک طوفان کو
کھیت کھلیان میں
اک بجوکے کی منڈی اڑاتے
مکانوں کے اوپر تنی چمنیوں پر تیوری چڑھاتے
بہت کھانستے اور بہت پھیل جاتے
بگولے بناتے، گنہ گار، ہلکٹ کو اب
کون گھر دے گا رے؟
کوئی گھر دے گا کیا؟
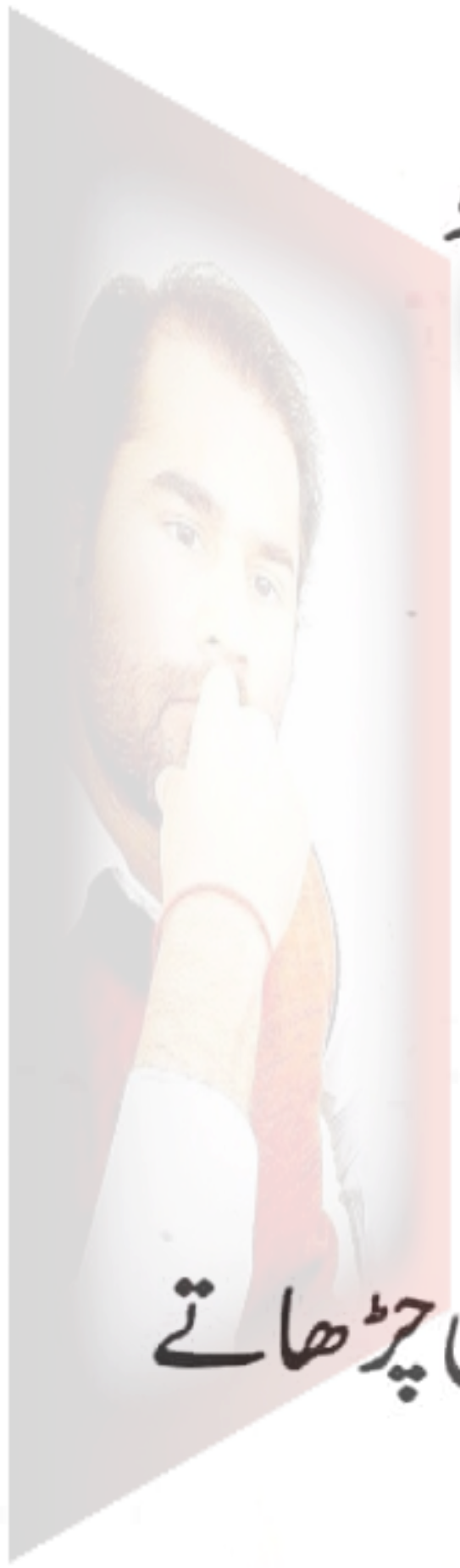
تشنج

طبیبا!!!احبیبا!!

یہ کچے بدن کی نحوست کے خلیوں میں " پکروڑ" پانی کی زائیدگی ہے

کلائی میں کیا ہے؟

فقط خالیے کا دباؤ، کساؤ

الٹ! پتلیوں کو

لپک! سرد تلوؤں کی جانب

کٹائی کا جوہر دکھانے کا وقت آ گیا ہے

یہ جھلی پکڑ! اور کس کے جکڑ!

ابھی میں نے "گڑچھی" جو بغلوں کے نیچے دبی چیختی ہے

بڑے دیگچے میں چلائی نہیں تھی

تپائی کے نیچے ہرے پیلے کنچے، بجھے کوئلوں کے سفیدے میں گم ہیں

جٹاؤں کی اکڑن

جو مونچھوں چڑھی، روشنائی کے پیچھے

تراشیدگی کا حوالہ رہی ہے

بھبھکوں میں اڑتی لچکدار باچھوں تلک آ گئی ہے

لسیلا لعاب اور کسیلا شباب،

آبگینوں کی پٹ پٹ

دھڑک نشترا!۔۔

مٹھیوں میں گزشتہ سمے کی ہزیمت سرکنے لگی ہے

طلب کے تشنج کی کاٹھی پہ جانگھوں کی میلی اداسی چرکنے لگی ہے

نثر کبھی نظم نہیں جنتی

پچکتے ہوئے گرم کولہوں سے لپٹے، تنگ جانگیے پر

قرینے کی کھلی اڑاتے، بہت لامبے ٹانکوں کی بھد بھد

ادھر، الگنی پر لٹکتی نسائی اجازت

پُرش ایک سالم ارادے کی لعبت

"مرونڈے" کے جیسی زباں کُرکُری

سنسنی، جھرجھری

اور ہزیمت کے پہلے پلوں میں

طلب کی سیاہی سے لتھڑے غبارے

بدن کے نشیلے، کٹیلے نظارے

ابھاروں سے چپکی ہوئی روشنائی

نشیبوں میں پنجوں پہ چلتی، سبک سر ترائی

خدا اور خدائی

کلیشے کا قصہ

جو بوجھل نگاہوں کا بہتان اٹھانے کی کوشش میں ہے

جو گزشتہ شبوں کی مہک میں گرفتہ

سرکتی ہوئی سلوٹوں کا حذر ہے

اگر میں بھی چاہوں کہ مٹی کو تانبا کہوں

اور تانبے کی کیس پر تراشیدگی کی صعوبت جڑوں

آئنوں کے بروں اور دروں کو پڑھوں

الٹے قدموں سے معنی کی چوٹی چڑھوں

ایک ہی پھونک میں پورا "کرہ" اڑاؤں

ہنسوں، قہقہوں سے بگولے بناؤں

تو مجھ کو کچھ ایسا بھی مشکل نہیں

نظم کا مرکزہ میری مٹھی میں ہے

چیچو چیچ گنڈیریاں

چیچو چیچ گنڈیریاں

سب تیریاں

ہم بھور سمے کے میٹھے پن اور دوپہری کی کڑواہٹ کے بیچ پڑے ہیں

کلم کارے

آڑ کواڑ ہوا کے آرے

تن کے دھوبی

پاتھر پھاڑ کے لے آویں گے اجلی نیند

اور ہم آنسو میں مجبوری گوندھ کے

وحشت پاتھ کے دیواروں پر چپکا لیویں گے

کس کے ساتھ دیہاڑی کاٹیں

ایک لکیر کے آوازے پر

چھپن چھو چھپائی کھیلیں

"چدر" اوڑھ کے پریوں کا سنگیت سنیں

اور کھاٹ کے نیچے سورج کی کرنوں کو، بان سے دھنستا دیکھیں

اپنے سارے ہانی موئے

اپنے سارے بیلی کھوئے

مٹی کے بیلوں کے سینگ پہ، تنہائی کا آخری خطبہ

یکتائی کو چیرا دے کر ٹوٹ گرا ہے

لامبی گردن والا بگلا

مردہ مچھلی کھا کر پھول چکا ہے

چچو چچ گنڈیریاں

سب تیریاں
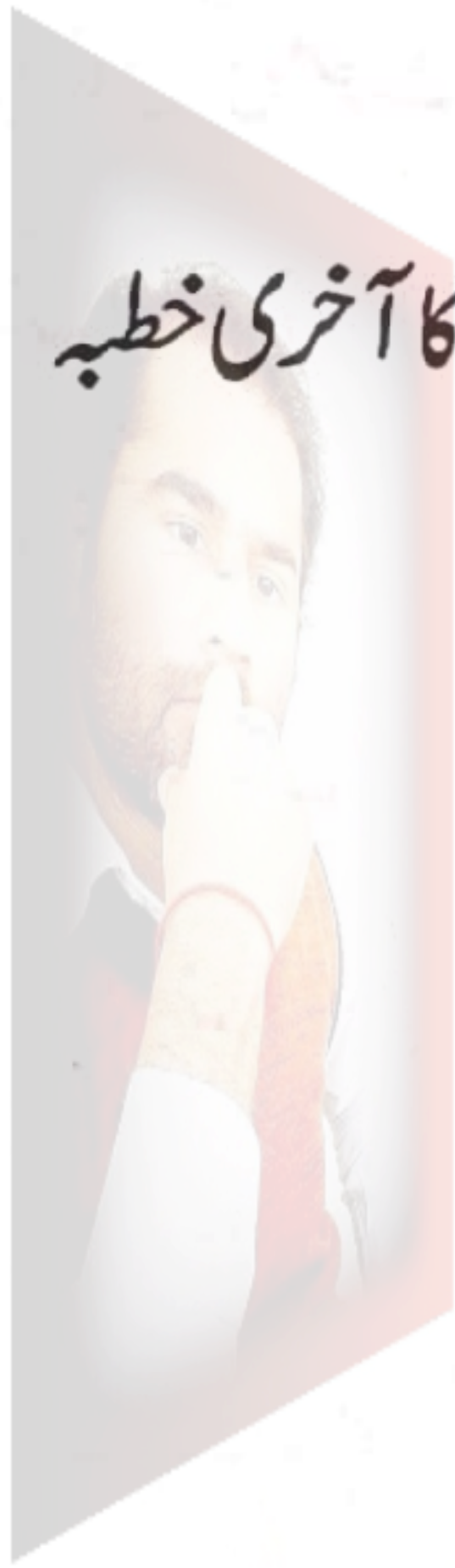
لاش = لاش

ابے نکھٹو!

کدال اٹھانا ہنر نہیں ہے

یہ رائگانی کی کھوٹ ہے جو سیاہ کھالوں میں رینگتی ہے

دھکیل! چھکڑا

اتار! لاشیں

تراش! قاشیں

یہ بھربھری ہے

یہ گاچنی ہے

یہ خاک ہے یا چھنال سالی

ہوا کی نالی میں چھید کم ہیں

عجیب دکھ ہیں عجیب غم ہیں

دھکیل! چھکڑا

کھرچ کھرچ کے تہیں بٹھانا ہنر نہیں ہے

بدن ''ترانگا''**

لہو سے لتھڑے تنگ لبادے میں گونجتا ہے

غرور تنگڑا

رسد بہت ہے

بس ایک غم ہے

زمین کم ہے۔۔۔!!!

**ترانگا: پنجابی لفظ ہے۔۔۔ٹیڑھا/کڑک اور اکڑا ہوا

تم کہاں ہو

میں وہیں ہوں جہاں

منجمند آئینے کی چمک

عکسِ گریاں کے سینے میں نَم پھونکتی ہے

لہو کی تھرک پر

زمان و مکاں، نقرئی دھوپ کی گرم قاشوں میں ڈھلتے ہیں

تابِ تحیّر کا معنی بدلتے ہیں

بھیتر، زمستان خوردہ چراغوں کی نَے ہے

جو آنکھوں سے ہوتے ہوئے

دائرہ وار، ہونٹوں کی رنگت میں گُھلتی چلی جارہی ہے

یہاں خواب دانوں کی حیرت سے بےزار آنکھیں

اذیت کا غرفہ ہٹاتی نہیں

اور لہو رنگ مٹی، صباحت کا احسان اُٹھاتی نہیں

بس دھواں سرد پڑتی نسوں میں نمو کر رہا ہے

ہوا، زہر سے بھر چکی ہے

بدن گل رہا ہے۔۔۔۔۔سخن چل رہا ہے

مگر تم کہاں ہو؟
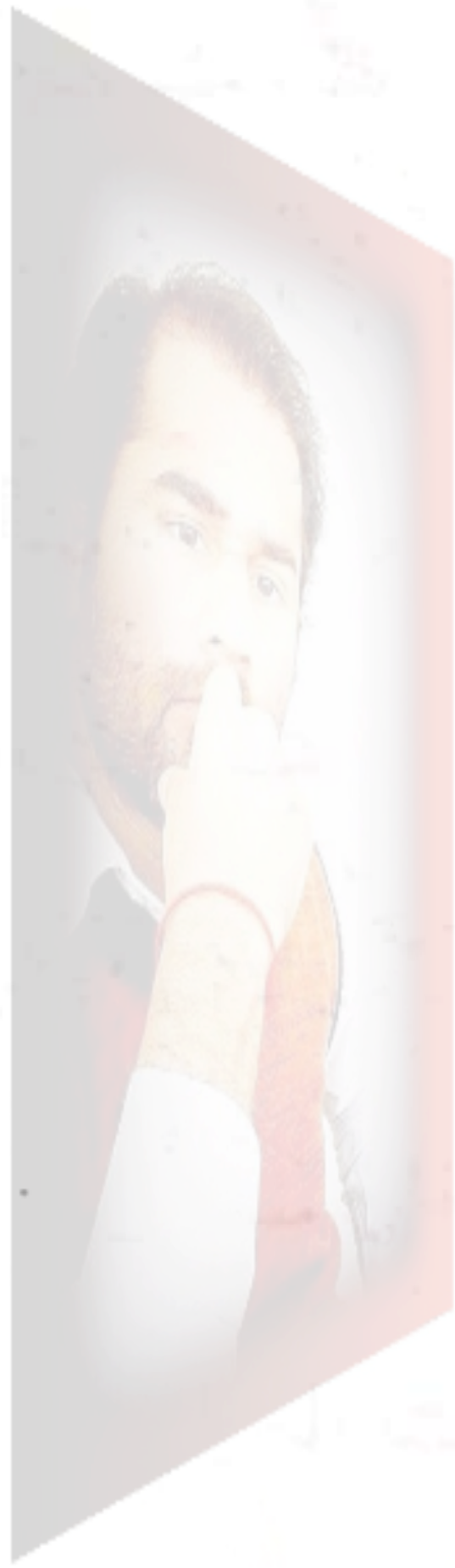
کاف کہانی

سو تم کہہ رہے تھے

"زمستان خوردہ تحیّر کی نَے میں نُمو بولتی ہے؟"

ذرا اجنبی روشنی میں سرکتی ہوئی زرد آنکھوں میں جھانکو!

بہت ریزگی ہے

یہاں چمپئی پھول کھلنے سے پہلے فنا کھل چکی ہے

تحیّر تو بس آئنے کی للک ہے

جسے لاجوردی تمازت کے تَن پر لہکنے کی خُو ہے

تمہارے بدن کی ڈھلانوں سے لڑھکے ہوئے

سنگِ ازرق پہ لعنت

مجھے دودھیا رنگ سے اتنی وحشت نہیں تھی

معمول
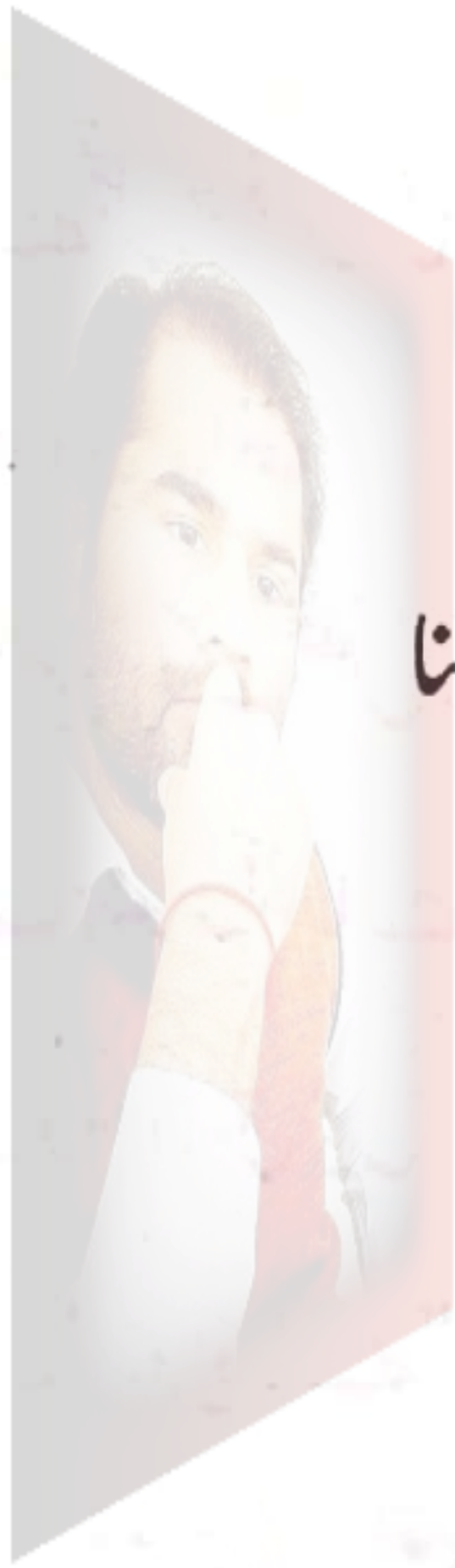
چھلی ہوئی سڑک پہ دن گزارنا

اُدھڑتی شام اوڑھنا

سیاہیوں میں گوندھ کر بدن کا درد پھانکنا

کٹے پھٹے کلام کی کٹار سے

خموشیوں کو چھیلنا

ہوس کی ناک چھیدنا

وصال کے خمار میں

حواس اور ہراس کی سِلوں تلے دبی ہوئی نمو کا ننگ جھیلنا

لبوں میں اور گال میں بس ایک تِل کا فاصلہ

بس ایک سانس کا عذاب

اور بددعاؤں کی بھڑکتی آگ میں قبولیت کے ملگجی سراب کا حجاب

کیلکولیٹر کے ہندسوں میں چھپی نظم

وہ گنتی کی ایجاد سے قبل حرفوں کی ابجد کا ایقان ہی تھا
جو روحوں کی تقسیم کو جانتا تھا
مگر اب عدد کا تحکم ہر اِک شخص کے ذہن پر چل رہا ہے
ہر اِک پور پر ایک ہندسہ لکھا ہے
زبانیں تواتر سے دہرا رہی ہیں
وہی آدھے پونے "جو" پورے" ہوئے اور پھر گھٹ گئے
اور ہمیں پاسکل کے فتوری دماغ اور کہیں نیپیئر کے تفکر سے آگے
ہرے شبد چُننے کا چسکا لگا ہے
یہاں کون ہے جو تسلی بھرے چند حرفوں پہ ہندسوں کو قربان کر دے
ہمیں یہ بتائے
کہ شاعر کبھی اس عدد کا حوالہ نہیں لکھ سکیں گے

روہنگیا! ہم کہیں کے نہیں

روہنگیا!
ہم کہیں کے نہیں
ہم وہی ہیں جنہیں سات نسلوں سے اذنِ تکلّم نہیں مل سکا
ہم ازل کے بھگوڑے
ہمیں سبز خطّے سے باہر کسی معتدِل منطقے کے تجسس کا گُھن کھا گیا
ہم کہیں کے نہیں
سات عَشروں کی پیہم اذیّت ہمارے بدن سے لپٹ کر بقا پا گئی
اب جو خوں ریز مٹّی کا قضیہ اُٹھائے، پسِ آبرو جی رہے ہیں تو
سانسوں کا ہیجان، آنکھوں سے بہتے لہو میں دمک پا رہا ہے
تجھے یاد ہوگا
کہ اجداد کی بے رُخی نے ہمارے سیاہی بھرے اِن تنومند جُثّوں

کی تحقیر پر شادیانے بجائے
ہمیں تجھ سے نسبت نہیں تھی
مگر پھر بھی تیرے شب و روز پہنے
تری کھیتیوں میں کئی خواب اگائے
کئی ہجر کاٹے
ذرا، زعفرانی کسایا لپیٹے ہوئے بھیڑیوں سے تو پوچھ!
ان کا مصلح، زمینی طلب سے ورا،
کس طلب میں سمادھی جمائے پڑا تھا
چلو ہم تو پھر بھی کہیں کے نہیں

فرزاد علی زیرک ان شاعروں میں سے
نہیں ہیں جو ورق کے ورق آورد کی کیفیت میں
سیاہ کریں۔ فرزاد علی زیرک کی شاعری سراپا آمد
ہے۔ وہ صرف کاغذ کا پیٹ بھرنے کے لیے یا
جلد از جلد نظموں کے وافر ذخیرے سے ادبی دنیا
میں ہلچل مچانے کے لیے شاعری نہیں کرتے
ہیں۔ بلکہ وہ تب کہتے ہیں جب ان پر آمد کی
کیفیت طاری ہوتی ہے۔ جب کوئی اچھوتا خیال
یا موضوع ان کے باطن سے باہر آنے کو بے چین ہوتا ہے۔ اور بالکل اضطراری کیفیت طاری
ہونے لگتی ہے۔
فرزاد علی زیرک اس وقت تک نظم نہیں کہتے ہیں جب تک کوئی فکر یا خیال شدت اظہار کا
تقاضا نہ کرے جو انہیں لگے۔ یہ چھپی ہوئی مصیبت نہ معلوم ہو۔ اور جب تک ایک نظم عالم وجود
میں نہ آجائے دوسری نظم کی آمد کی راہیں مسدود ہوتی ہیں۔ نیز فرزاد علی زیرک کا یہ موقف بھی
معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کی پسند یا ناپسند کے مطابق اپنی نظموں کا قبلہ نہیں بدلتے ہیں بلکہ وہ وہی
لکھتے ہیں جن کا تقاضا ان کی فطرت اور طبیعت کرتی ہیں۔
گلزار (ممبئی)
Gulzar.
ارمغان مطبوعات
منڈی بہاؤالدین، لاہور
0092 333 8248038